حافظ محمد ولایت اللہ صاحب علی گڈہ کالج کے قدیم طلبہ مین ہین، تعلیم ہی کے زمانہ سے ان مین شعر و شاعری کا مذاق تھا، جو بعد مین بھی قائم رہا، اس کا نتیجہ سوز و گداز کی صورت مین ہمارے سامنے ہی، یہ ان کے کلام کا اسم با مسمّٰی مجموعہ ہی، اس میں قصائد، مختصر مثنویان، غزل، قطعات، مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور مزاحیہ نظمین ہر رنگ کا کلام ہی، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ حافظ صاحب کا طبعی رجحان قومی اور اخلاقی شاعری کی جانب ہے، چنانچہ اس مجموعے کی منظومات کا بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہی، غزلین بہت کم ہین، اور ان کا رنگ بھی پھیکا ہی، لیکن قومی و اخلاقی نظمین بہت اچھی ہین، اس مین مسلمانون کی حالت کا بہت موثر نقشہ دکھایا گیا ہے، تہذیب جدید کی تنقیدی نظمیں بہت دلچسپ ہین، بعض نظمون پر اکبر کے کلام کا دھوکا ہوتا ہی، حافظ صاحب کی شاعری کی اصلی روح اور اس کا حاصل یہی ہی، اردو زبان کی تذکیر و تانیث کی نظم بہت دلچسپ ہی، اس پہلو پر ابتک کسی کی نظر نہین گئی تھی، اگر وہ تلاش سے کام لیتے تو انھین اور مثالین بھی مل جاتین، یہ مجموعہ مختلف حیثیتون سے مطالعہ کے لائق ہی،

حبیبِ خدا صدیق اکبرؓ عمر فاروقؓ شہید کربلاؓ مؤلفہ جناب الیاس احمد صاحب مجیبی تقطیع بڑی ضخامت ۱۵، ۱۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۳، ۱۳، پتہ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی لاہو لکھنؤ بمبئی نمبر ۳

اردو مین مسلمان بچون کی تعلیم کیلئے صالح لٹریچر بہت کم ہی، سرکاری مدارس مین طوطے مینا کی کہانیاں پڑھائی جاتی ہین جن سے پڑھنا تو آجاتا ہی لیکن کوئی مفید سبق نہین ملتا اور نہ معلومات مین کوئی اچھا اضافہ ہوتا ہی،

الیاس احمد خان مجیبی نے بچون اور بالغ مبتدیون کی تعلیم کے لئے چھوٹے چھوٹے رسالون کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے جنمین تعلیم کیساتھ اخلاقی تعلیم اور مذہبی معلومات کا بھی لحاظ رکھا ہے، یہ چارون رسالے اسی سلسلہ کے ہین، انمین خلفائے ثلثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت امام حسینؓ کے سبق آموز حالات زندگی اور ان کے کارنامون کا ذکر ہی، ہم نے اس سلسلہ کے مصنف کے غیر مطبوعہ رسالے بھی دیکھے ہین، انھیں بچون کی تعلیم کیلئے مفید پایا، وہ مصنف الاطفال" کہلانے کے مستحق ہین، امید ہے کہ وہ اس مفید سلسلہ کو اتمام تک پہنچائینگے،

"م"

جلد ۵۱" ماہ صفر المظفر ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۳ء "عدد ۳"

مضامین

———:۰:———

شذرات

کاغذ کی گرانی بلکہ کمیابی نے اچھے اچھے مطبعوں اور ناشروں کے حوصلے پست کر دیئے ہیں، مگر معارف نے ابھی تک اپنی آن قائم رکھی ہے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ حالت کب تک چل سکتی ہے، بہرحال اگر واقعات نے مجبور کیا تو ممکن ہے کہ صفحات کی تعداد میں کمی کرنی پڑے، یا کسی اور قسم کی کفایت نکالنی پڑے، قبل از وقت اس کا ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ ناظرین تیار رہیں،

معارف نے اپنی مالی و اقتصادی حالت کا ذکر بہت کم کیا ہے، اور اخفائے حال ہی کو شرافت کا معیار سمجھا ہے لیکن حالات ایسے پیش ہیں کہ شاید اس معیار شرافت پر قائم رہنا مشکل ہو جائے، معارف میں تجارتی اصول صرف اسی قدر ملحوظ رہتا ہے کہ اس سے مجلس کو نفع ہو یا نہ ہو، لیکن اُس سے نقصان نہ ہو، چنانچہ معارف اسی اصول پر چلا ہے اور چل رہا ہے، اب یہ پہلا سال ہے کہ اس کی آمد سے اس کا خرچ سو روپیے کے قریب بڑھ گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ خریداروں کی تعداد قائم رہ کر بیس نئے خریدار اگر بڑھ جائیں تو یہ دوسرے شعبوں سے دریوزہ گری کے بغیر بدستور چلتا رہے، اس لئے ہمدردوں سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس کمی کو مزید حلقۂ احباب سے پوری کریں، اور اس کے لئے تھوڑی سی کوشش کی زحمت گوارا فرمائیں،

دار المصنفین کے بہت سے پرانے مطبوعات اسی زمانہ میں ختم ہو گئے اور ہو رہے ہیں، ان کے دوبارہ طبع کا سامان کیا جا رہا ہے، ارض القرآن کا پہلا حصہ زیر طبع ہے، خلفائے راشدینؓ بھی دوبارہ چھپ رہی ہے، سیرۃ عائشہ صدیقہؓ کے نسخے بھی کم رہ گئے ہیں، اس کے تیسرے اڈیشن کا انتظام کرنا ہے، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے حصہ کے نسخے بھی کم تعداد میں ہیں، ان کتابوں کے دوبارہ طبع کے انتظامات کے سبب سے نئی کتابوں کی اشاعت کو ملتوی کرنا پڑ رہا ہے،

امسال ۱۳ / فروری ۱۹۴۳ء کو مسلم یونیورسٹی نے اپنی عمر میں پہلی دفعہ اپنی قوم کے تین خادمان علم کو اپنی اعزازی علمی ڈگریوں سے نوازا ہے، اس نوازش کی تہ میں نہ تو کوئی سیاسی غرض پنہاں ہے، اور نہ کسی اقتصادی مشکل کا حل چھپا ہے، بلکہ صرف ان کی طویل علمی خدمات کا اعتراف اس کا مقصد ہے، اس لئے یہ نوازش خاص شکریہ کی مستحق ہے، اگرچہ یہ تجویز سر شاہ سلیمان مرحوم نے اپنے زمانہ میں منظور کرائی تھی، مگر اس کی تعمیل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب کے عہد میں ہوئی، اس سلسلہ میں میری ہیچ میرز ذات کو الگ کر کے اگر دیکھا جائے تو واقعاً نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خاں شروانی اور ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کے گراں بہا اور طویل علمی و ادبی خدمات بجا طور پر اس اعتراف کے مستحق تھے، اور خود مسلم یونیورسٹی کے لئے بھی یہ امر کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ ان دو صاحبوں نے اس کی دی ہوئی اس عزت کو بخوشی قبول فرمایا،

موجودہ زمانہ کے بعض خام کار مصلحین جو تجدید ملت کے اہم منصب کی نقل اتارنی چاہتے ہیں، یعنی شیر کی کھال اوڑھ کر شیر بننا چاہتے ہیں، یہ کر رہے ہیں کہ اپنے زمانہ کے لباس عاریت کو جس کو وہ دوسری قوموں سے مانگ کر لائے ہیں اپنی ذاتی ملک کہہ کر پیش کر رہے ہیں، اور دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جسم کو لباس عاریت کے بجائے ان کا اصلی لباس پہنانا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ تمام تر فریب خیال اور فریب فکر ہے، واقعہ یہ ہے کہ وہ خود اپنے جسم پر زمانہ کا لباس مستعار ہی رکھتے ہیں اور اسی کو جامۂ حقیقت سمجھتے ہیں، مشرقی قیادت، مودودی امارت، وحید خانی سیاست سب اسی نظریہ کی مثالیں ہیں، جو اپنے زمانہ کے خیالات کو قبول کر کے اور انہی کو اول بدل کر اسلام کے عقائد و تعلیم کی اصل روح ظاہر کر رہے ہیں، اور منادی کر رہے ہیں، ع

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

تعجب ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اسلامی علوم و فنون اور اُن کے اصلی ماخذوں سے یکسر ناواقف ہو، محض اردو کتابوں کی ورق گردانی کرکے افکارِ اسلامی کی تاریخ مرتب کرے اور اس نشان دہی کی جرأت کرے کہ علمائے اُمت اور ائمۂ دین نے کہاں کہاں غلطی کی اور عجمی خیالات و اثرات سے ان کا دماغ کہاں تک متاثر ہوتا رہا، اور اپنے ہر دعویٰ کے لئے یہی دلیل کافی سمجھے کہ اقبال کے کسی شعر کو اس طرح پیش کردے کہ گویا قرآن پاک کی کوئی آیت پیش کرکے اس نے اپنی حجت پوری کردی اور اب کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں رہی، حالانکہ ابھی یہ بات خود بھی محلِ کلام ہے کہ یہ اشعار زمانۂ حال کا لباسِ مستعار ہیں جو فرنگستان کے کارخانہ میں تیار ہوئے ہیں یا وہ سراسر حجازی ہیں اور وحیِ الٰہی کی صنعت گاہ کی پیداوار،

جس وقت یہ کتاب افکارِ اسلامی کی تاریخ چھپ رہی تھی اور مجھے اس کے آدھے مطبوعہ صفحات بھیجے گئے تھے اسی وقت مولف کو متنبہ کردیا گیا تھا کہ اُن کی یہ کتاب اغلاط سے بھری ہوئی، اور ان کی خام کاری پر بیّنہ دلیل، اور چند اردو کتابوں کے ثانوی درجہ کے معلومات پر بھروسہ کرکے اجتہاد کی عظیم الشان جرأت ہے، مگر انھوں نے اپنی محنت کی نسبت جس میں سنا گیا ہے کہ کسی اور کی محنت بھی شریک ہے اس تنقید کو قبول نہیں کیا

تعجب پر تعجب یہ ہوتا ہے کہ فضلائے وقت میں سے بھی ایک دو اصحاب ایسے ہیں جنھوں نے گویا یہ عہد کرلیا ہو کہ ہر نئی مذہبی بدعت کی تائید وہ ضرور ہی کریں گے، مشرقی کا تذکرہ ہو یا منکرینِ حدیث کی ضلالت ہو یا افکارِ اسلامی کی یہ تاریخ ہو، ان کو کسی بدعت کے عین دین ماننے میں کبھی باک نہیں ہوتا، اس سے بھی زیادہ تعجب مولانا سندھی جیسے اہلِ علم پر ہے جو اسلام کو ہندی اسلام بنا ڈالنے کی کوشش کے باوجود اس کتاب کو جو خود ان کی دعوت کو بھی عجمی تصور کہکر ہم پایۂ کفر قرار دے رہی ہو تحسین فرما رہے ہیں،

کہئے یہ حکم ہے کہئے وہ ارشاد ہے

مقالات

صفی ہندی

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

صفی ہندی، ہندوستان کے اُن چند اہلِ علم مین ہین جن کی شہرت کا آفتاب اسلامی ملکون مین چمکا، اور جنھون نے اپنے وطن سے اپنے انتساب کو قائم رکھکر اسلامی ملکون مین ہندوستان کے نام کو اونچا کیا،

صفی ہندی ساتوین آٹھوین صدی ہجری کے جلیل القدر متکلمین مین شمار کئے گئے ہین، وہ دمشق مین قیام پذیر تھے، اور اپنے عہد مین شام مین شوافع و اشاعرہ کے امام سمجھے جاتے تھے

ابن شہبہ کہتے ہین :-

"مذہبِ اشعری قاہرہ مین ابن خطاب باجی اور شام مین صفی ہندی کی نصرت سے قائم ہوا[1]"

اردو لٹریچر مین صفی الدین کا نام سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم کے مضمون "علامہ ابن تیمیہ حرانی" میں آیا ہے، مولانا مرحوم فرماتے ہین :-

"مناظرہ کی مجلس منعقد ہوئی، اور علامہ صفی الدین ہندی افسر مناظرہ مقرر ہوئے[2]"

---

[1] شذرات الذہب جلد ۶ ص ۴۳، ترجمہ ابن خطاب باجی

[2] مقالات شبلی قدیم اڈیشن ص ۲۲۱

مولانا مرحوم نے یہ بیان علامہ ابن تیمیہ کے سوانح میں صفی الدین کا جو سرسری ذکر آیا ہے، اسی سے اخذ کیا ہے، لیکن یہ "صفی الدین" اس شخصیت کا نام نہیں، بلکہ لقب ہے، اس لئے تراجم کی کتابوں میں اس لقب کو شمعِ راہ بنا کر حالات کی جستجو لا حاصل تھی، لیکن حسنِ اتفاق کہ ادارہ معارفِ اسلامیہ کو اجلاس ۱۳۳۶ھ میں مقالہ پیش کرنے کے لئے میں سراج ہندی پر کام کر رہا تھا، تو انہی اوصاف کے حیدر اہلِ علم کے نام نظر سے گذرے تھے، اور انہی میں صفی الدین ہندی بھی تھے، اسلئے ادارہ معارفِ اسلامیہ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے اجلاس میں صفی الدین ہندی کو اہلِ علم سے روشناس کیا جائے۔

ماخذ | صفی الدین ہندی کے تذکرہ سے ہندوستان کی تاریخیں خاموش ہیں، صفی الدین کا سب سے تفصیلی ذکر علامہ ابن تقی الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ کی طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں آیا ہے، پھر ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی الدرر الکامنہ فی اعیان المایۃ الثامنہ، ابن عماد حنبلی متوفی ۱۰۸۹ھ کی شذرات الذہب فی اخبار من ذہب میں کچھ مزید تفصیلات ہیں، جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی حسن المحاضرہ میں بھی ان کے حالات میں چند سطریں ہیں، لیکن وہ مسامحات سے خالی نہیں، علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ کی دول الاسلام میں گو چند ہی سطروں میں ان کا ذکر ہے، مگر وہ سب سے قدیم ماخذ ہے، اور وہ سطریں بھی بعض نئے معلومات کی حامل ہیں، علامہ شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ نے البدر الطالع میں ان کو جگہ دی ہے، مگر ابن تیمیہ کے مقابلے کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ انصاف کو قائم نہ رکھ سکے ہیں، نیز ان ماخذ میں مختلف اہلِ علم کے تراجم ہیں، بہ سلسلۂ تلمذ و درس بھی کہیں کہیں ان کا ذکر آگیا ہے، حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ نے کشف الظنون اور طاش کبری زادہ متوفی ۹۶۲ھ نے مفتاح السعادۃ میں ان کی تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، پھر ابھی فروری کے پہلے ہفتہ میں پٹنہ جانے کا اتفاق ہوا، یہاں کتب خانۂ خدا بخش خان میں دو قیمتی قلمی ماخذ میں شیخ صفی الدین کے حالات دستیاب ہوئے، اور یہ دونوں شیخ صفی سے قریب العہد ہیں، ان

یہ دونوں کتابیں طبقاتِ شافعیہ میں ہیں، ان میں سے ایک علامہ جمال الدین اسنوی (ابو محمد عبد الرحیم ابن حسن بن علی) متوفی (۱۸ جمادی الاخریٰ) ۷۷۲ھ کی ہے، اور دوسری قاضی ابن شہبہ (تقی الدین ابو بکر احمد بن محمد بن عمر) متوفی (۱۱ ذی الحجہ) ۸۵۱ھ کی، طبقات الشافعیہ میں یہ دونوں کتابیں اہلِ علم میں معروف ہیں، اور متاخرین کی ماخذ رہی ہیں، نیز ان کی بعض تصنیفات ہندوستان کے باہر کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں، لیکن افسوس کہ وہ ہمارے دسترس سے دور ہیں، ورنہ ہم ان کی تصنیفات سے ان کی علمی عظمت کا پتہ چلا سکتے تھے،

بہر حال بس یہی چند مختصر ماخذ ہیں جن میں صفی الدین ہندی کی شخصیت کا سراغ لگ سکا ہم ان مورخین کی رہنمائی میں ان کے متعلق جو کچھ معلوم کر سکے، وہ ذیل میں پیش ہے :-

نام، نسب، وطن، انتساب | محمد نام، والد کا نام عبد الرحیم اور دادا کا محمد ہے، ابو عبد اللہ کنیت اور صفی الدین لقب تھا، ہندوستان میں ان کے آبا و اجداد آذربائیجان کے تاریخی شہر ارمیہ سے آئے تھے، اس نسبت سے "ارموی"[۱] کہلائے، اور اسی نام و نسبت کو لیکر یہ ہندوستان سے باہر نکلے، ان

---

[۱] سمعانی = الارموی، ھذہ النسبۃ الی ارمنہ (ارمیہ) وھی من بلاد آذربائیجان المشہور بالنسبۃ الیھا جماعۃ من اھل العلم (کتاب الانساب ورق ۲۰۲۶)

یاقوت = وارمیہ اسم مدینۃ عظیمۃ قدیمۃ باذربیجان بینھا وبین البحیرۃ نحو ثلاثۃ امیال او اربعۃ وھی فیما یزعمون مدینۃ زرادشت نبی المجوس..... رأیتھا فی سنۃ ۶۱۷ وھی مدینۃ حسنۃ کثیرۃ الخیرات......

شیخ صفی الدین کے انتساب "ارموی" کی جو توجیہ متن میں پیش کی گئی، وہ قرین قیاس ہے، ورنہ جیسا کہ ان کے بعد کے سوانح حیات سے معلوم ہوگا، ان کا کوئی تعلق ان ممالک سے نہیں رہا، ہندوستان سے نکلنے کے بعد انہوں نے اپنی زندگی ارض روم و شام میں گذاری ہے، اور علامہ ذہبی نے انہیں "ارموی" تحرھندی لکھا ہے،

اپنے لقب اور وطن ہندوستان کے انتساب سے "صفی الدین ہندی" مشہور ہوئے، اور اکثر محض "صفی ہندی" کہے گئے،

پیدایش و تعلیم و تربیت ۱۳ ربیع الآخر ۶۴۴ھ کو پنجشنبہ کا دن گذار کر شب جمعہ مین دہلی کے کسی ذی علم خاندان مین پیدا ہوئے، دلی کے تخت پر ان دنون خانوادۂ التمش کی حکمرانی تھی، اور دلی کو علمی مرکزیت حاصل ہو چکی تھی،[1] صفی الدین نے علمی ماحول مین آنکھین کھولین، اور اپنے نانا کی آغوشِ تربیت مین علوم کی تحصیل کی، چنانچہ ابن حجر و ابن عماد لکھتے ہین:-

واخذ عن جدہ لامہ،	اور اپنے نانا سے علوم کی تحصیل کی
وتفقہ علی جدہ لامہ،[2]	اور اپنے نانا سے فقہ کی تکمیل کی

ہندوستان مین صفی الدین کا قیام ۶۶۶ھ تک رہا، اس طرح انھون نے اپنی زندگی کے تقریباً ۲۲ سال اسی سرزمین پر گذارے،[3]

دہلی سے روانگی شیخ صفی الدین ۲۳ برس کی عمر مین ماہ رجب ۶۶۶ھ مین دہلی سے روانہ ہوئے، ماہ رجب کی تصریح سے اندازہ ہوتا ہے، کہ حج کی نیت سے سفر اختیار کیا، اس زمانہ مین حاجیون کے قافلے پہلے یمن پہنچتے تھے، چنانچہ شیخ صفی الدین بھی ہندوستان سے نکل کر پہلے یمن مین وارد ہوئے،

قیام یمن اور ملک مظفر کی قدردانی یمن مین ان دنون سلطان ملک مظفر شمس الدین یوسف بن عمر

[1] سلطان ناصر الدین محمود بن شمس الدین التمش دور حکومت از ۶۴۴ھ لغایت ۶۶۴ھ، بعدہٗ سلطان غیاث الدین بلبن دور حکومت از ۶۶۴ھ لغایت ۶۸۶ھ ان دورون مین دہلی مین دو مرکزی درسگاہین مدرسۂ ناصریہ و مدرسۂ معزیہ تھین جن کے انتظام و انصرام کی نگرانی براہ راست فرمانروائے ہند کے ہاتھون مین تھی (طبقات ناصری ص ۱۸۸ و ۱۹۱) [2] الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۴، طبقات الشافعیہ جلد ۵ ص ۲۴۰ شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۷ [3] طبقات الشافعیہ الاسنوی ورق ۲۸۳، ۲۸۴ کتب خانہ خدابخش نمبر کتاب ۲۵۶۶ و طبقات الشافعیہ قاضی ابن شہبہ ورق ۱۱۳ ب ۱۱۴ الف کتبخانہ خدابخش نمبر ۲۴۵۵

ابن علی بن رسول ۶۴۷ھ - ۶۹۴ھ) کی فرمانروائی تھی، وہ خود صاحب علم اور علوم دینیہ کا فاضل تھا، محدثین فقہا، اور علما، کا قدردان تھا، اس کے دربار مین مختلف مذہبی علوم کا مذاکرہ جاری رہتا تھا، اور اپنی فیاضیون سے اہل علم کی قدر افزائی کرتا تھا،[1]

خوش قسمتی سے شیخ صفی الدین اسی عہد مین یمن کے دار الحکومت زبید مین داخل ہوئے، ملک مظفر نے اس نوجوان ہندی عالم کی قدر کی، اعزاز و اکرام سے پیش آیا، اور اپنی فیاضی سے ۹ سو دینار عطا کئے،[2]

فریضۂ حج کی ادائی اور قیام مکہ اس کے بعد یمن سے حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے، حج سے فارغ ہونے کے بعد تین مہینے یہان مقیم رہے،[3]

ابن سبعین کے حلقۂ ارادت مین اسی زمانہ مین مشہور عبادت گذار شیخ ابن سبعین (قطب الدین ابو محمد عبد الحق بن ابراہیم اشبیلی) متوفی ۶۶۹ھ مکہ معظمہ مین قیام فرما تھے، وہ عقیدۂ وحدۃ الوجود کے قائلین مین سے تھے، اس موضوع پر ان کی تصنیفات بھی ہین، اور اس دور کے مشاہیر صوفیہ مین شمار کئے جاتے تھے، مکہ مین بھی ان کے ارادتمندون کا ایک وسیع حلقہ قائم تھا،[4] شیخ صفی الدین قیام مکہ کے زمانہ مین شیخ موصوف کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوئے ان کی صحبتون مین بیٹھے، اور ان کے علم و عرفان سے مستفید ہوئے،[5]

[1] العقود اللؤلؤیہ جلد ۱ ص ۱۷۵، ۲۰۲، ۲۰۳، اسنوی کی طبقات الشافعیہ مین لفظ دہلی "ذہلی" مکتوب ہو گیا ہے کاتب کو بھی شبہہ ہوا، اور اس نے علامتِ شک "کذا" بین السطور مین لکھ دیا ہے [2] الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۴ [3] شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۷، الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۴، طبقات الشافعیہ اسنوی و قاضی ابن شہبہ [4] شذرات الذہب جلد ۵ ص ۳۲۹ (ترجمہ ابن سبعین) دول الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۳۳ [5] الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۴، شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۷، حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ جلد ۱ ص ۳۳۳ سیوطی نے محمد بن عبد الرحمن لکھا ہے جو صحیح نہین

ورودِ مصر مکہ سے روانہ ہو کر ۶۶۶ھ میں مصر میں داخل ہوئے اور ۶۷۱ھ میں قاہرہ پہونچے، مصر میں قیام کا زمانہ ۴ سال ہے لیکن افسوس ہے کہ مصر کے زمانۂ قیام کی مشغولیتوں کی تفصیلات نہ مل سکیں،

بلادِ روم میں قیام اس کے بعد براہِ انطاکیہ بلادِ روم کا رُخ کیا، اور مختلف شہروں میں گئے، چنانچہ قونیہ، سیواس اور قیصریہ میں وقتاً فوقتاً قیام پذیر رہے،

بلادِ روم میں مسندِ درس بلادِ روم میں ان کے علم کی قدر افزائی ہوئی، اور اپنے علم و فضل سے طلبہ کے مرجع بنے، چنانچہ اپنی مسندِ درس بچھائی، اور سیواس اور قونیہ میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری کیا،

اس زمانہ میں قونیہ میں شیخ سراج الدین ابو الثنا محمود بن ابی بکر ارموی (مولود ۵۹۴ھ متوفی ۶۸۲ھ) کی مسندِ درس بچھی ہوئی تھی، شیخ موصوف کو اصولِ فقہ، علم کلام اور معقولات میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، اور ان علوم میں ان کی بلند پایہ کتابیں التحصیل مختصر المحصول فی اصول الفقہ (للرازی) اللباب مختصر الاربعین فی اصول الدین، اور البیان والمطالع فی المنطق وغیرہ معروف ہیں، اور اس عہد کے شافعی فقہا میں منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے،[5]

شیخ سراج الدین نے شیخ صفی ہندی کے علم و فضل کی قدر کی، اور عزت و توقیر سے پیش آئے، رفتہ رفتہ دونوں کے تعلقات بڑھے، اور اس نوجوان ہندی عالم نے قونیہ کے اس امامِ فن کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرنا مناسب سمجھا، اور تکمیلِ علوم کے لئے ان کے سامنے بیٹھ گئے، ان کے خدمت گذار ارشد تلامذہ میں شمار کئے گئے، اور اصول فقہ، کلام و عقلیات میں ماہر ہو کر نکلے، اور آئندہ چل کر انہی علوم کی دستگاہ میں شہرت حاصل کی، اور انہی علوم پر ان کے

[5] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۵ ص ۱۵۵ (ترجمہ سراج الدین)

قلم سے چند تصنیفات نکلیں جنھوں نے ان کی یاد کو علمی حلقہ میں ہمیشہ کے لئے زندہ رکھا،

دمشق میں توطن شیخ سراج الدین ارموی جب تک زندہ رہے، شیخ صفی الدین ان کی خدمت سے علٰحدہ نہیں ہوئے، ان کی وفات کے بعد بلادِ روم میں ۱۱ سال بسر کر کے ۶۸۵ھ میں انھوں نے بلادِ روم کو خیرباد کہا، اور دمشق وارد ہوئے، اور اسی شہر میں مستقل توطن اختیار کیا،[1]

سماعِ حدیث شیخ صفی الدین نے اس وقت تک حدیث میں کوئی عالی سند حاصل نہیں کی تھی، دمشق میں انھیں اس کا مغتنم موقع ہاتھ آیا، یہاں ان دنوں مسند العصر الفخر بن البخاری (ابو الحسن علی بن احمد ابن عبد الواحد حنبلی مولود ۵۹۵ھ متوفی ۶۹۰ھ) کی مسندِ درس بچھی ہوئی تھی، ان کی روایتِ حدیث کا سلسلہ ساٹھ برس تک جاری رہا، ایک کثیر خلقت ان کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوئی،

امام ذہبی کا بیان ہے، کہ "اپنے دور میں وہ آخری بزرگ تھے، کہ ان کے اور آنحضرت صلعم کے درمیان صرف آٹھ ثقہ راویوں کے واسطے تھے" ان کی اس عالی سند کے سبب، اسلامی دنیا کے دور دور کے علما، و اہلِ کمال پروانہ وار ان کے گرد جمع ہوتے، اور ان سے روایتیں لیکر اپنے دامنِ مراد کو مالا مال کرتے تھے،[2]

شیخ صفی الدین نے اسی یگانۂ روزگار محدث کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا، چنانچہ علامہ سبکی، ابن حجر اور ابن عماد وغیرہ نے شیخ صفی الدین کے شیخِ حدیث کی حیثیت سے صرف انہی کا نام لیا ہے،

جامعیت وفضل و کمال الغرض شیخ صفی الدین نے دینی علوم و فنون میں اعلیٰ بصیرت حاصل کرنے کے لئے اس عہد کے باکمال اساتذہ سے فیض حاصل کیا، اصولِ فقہ، کلام، اور عقلیات میں

[1] طبقات الشافعیہ سبکی جلد ۵ ص ۲۴۰ واسنوی ورق ۲۸۳ و ابن شہبہ ورق ۱۱۳ ب، الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۴، [2] شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۰، [3] شذرات الذہب جلد ۵ ص ۴۱۴، ۴۱۶ (ترجمہ ابن سبعین)

شیخ سراج الدین صاحب التحصیل کو شمع راہ بنایا، علم حدیث کے لئے شیخ فخر بن بخاری کی زمرہ
میں داخل ہوئے، اور تزکیۂ اخلاق و روحانی تربیت کا فیض اٹھانے کے لئے اس عہد کے باکمال
عبادتگذار شیخ ابن سبعین کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، شریعت و طریقت کی اسی جامعیت
کا اثر تھا، کہ ہر حلقہ میں مقبول ہوئے، باوجودیکہ محدثین نے اپنے نقطۂ نظر سے ان کے شیخ ابن
سبعین اور ان کے عقائد پر حرف گیری کی، یہان تک کہ علامہ ذہبی نے طنزاً لکھا کہ "وله اتباع یا
یوم القیامۃ تحت لوائه" (ان کے متبعین ہین جو قیامت کے دن ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہون گے)
اور انھین شیخ صفی الدین اور ابن سبعین کے قریبی تعلقات بھی معلوم تھے، بایں ہمہ متاخر محدثین
ذہبی وغیرہ نے شیخ صفی الدین کے علم و فضل کے ساتھ ان کے عقائد کی تحسین کی، چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

کان فیه دین و تعبد و له اوراد	ان مین جذبۂ دینداری و عبادتگذاری
و کان حسن الاعتقاد علی مذهب	تھا، اور وہ بہت سے وظائف پڑھتے تھے
السلف،	اور عقیدۂ سلف کے مطابق اچھے عقائد رکھتے تھے

علامہ سبکی فرماتے ہین:-

کان من اعلم الناس بمذهب	وہ شیخ ابو الحسن اشعری کے مذہب کے
الشیخ ابی الحسن وادراهم باسراره	بڑے ماہر، اس کے رموز و اسرار کے واقفکار
متضلعاً بالاصلین،	اور اصولِ فقہ اور علم کلام کے وسیع المعلومات تھے

ابن عماد کا بیان ہے:-

کان ذا دین و تعبد و ایثار و خیر	وہ فقیہ، اصولی، متکلم، ادیب اور عبادتگذار
و حسن اعتقاد،	تھے،

اسنوی کہتے ہین:-

"فقیہ، اصولی، متکلم، ادیب اور عبادتگذار تھے"

حلقۂ درس

ابتداءً انھون نے دمشق کی جامع مسجد مین اپنا حلقۂ درس قائم کیا، پھر مختلف مدارس
مین درس و تدریس کی خدمت انجام دی، یہانتک کہ رفتہ رفتہ "مشیخۃ الشیوخ" (صدر اساتذہ) کے
بلند عہدہ پر فائز کئے گئے، اور دمشق کے مختلف مدارس رواحیہ، دولعیہ، اتابکیہ اور ظاہریہ جوانیہ
مین ان کے فیوض سے طلبہ مستفید ہوتے رہے، ابن عماد لکھتا ہے:-

"یہان (دمشق مین) مشیخۃ الشیوخ کے عہدہ پر فائز ہوئے، اور ظاہریہ جوانیہ، اتابکیہ،
رواحیہ، دولعیہ مین درس و تدریس کی خدمت انجام دی"۔

ان مدارس مین وہ اصول و عقلیات کا درس دیتے تھے،

خدمت افتاء

اس کے ساتھ حکومتِ شام کی طرف سے افتاء کی خدمت بھی ان کے سپرد تھی،

عماد کا بیان ہے:-

"افتا نویسی اور اصول و معقولات کی تدریس کا منصب عطا کیا گیا"۔

ابن حجر لکھتے ہین:-

"فتوے، نیکی، دینداری و صلاح کاری کے ساتھ لکھتے تھے"۔

اس طرح یہ ہندوستانی عالم دین، حکومت شام کے دو مقتدر "شیخ الشیوخ" اور "مفتی"
کے دینی عہدون پر سرفراز تھا، چنانچہ علامہ ذہبی نے شیخ صفی الدین کا تذکرہ ان الفاظ مین کیا ہے:

"مفتی اصولی، صفی الدین محمد بن عبد الرحیم ارموی ثم ہندی، شیخ الشیوخ اور
ظاہریہ کے استاد تھے"[1]

---

[1] شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۷، الدرر الکامنہ جلد ۶ ص ۱۴، طبقات الشافعیہ جلد ۵ ص ۲۴۰،
دول الاسلام جلد ۲ ص ۱۷۲ و طبقات الشافعیہ اسنوی ۱۸۳، ۴۰۴، قاضی ابن شہبہ ورق ۱۱۳ ب ۱۱۴، الف

تلامذہ | شیخ صفی الدین کے مشغلۂ درس و تدریس کے باعث طلبہ کی بڑی جماعت ان کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوئی، چنانچہ ابن عماد لکھتے ہین :-

"بہت سے لوگون نے ان سے علم کی تحصیل کی، ابن مراحل، ابن وکیل، فخر مصری اور بڑے بڑے اہل علم ان کے حلقۂ درس سے فیضیاب ہوئے"۔

مشہور ائمہ مین سے امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ (بروایت سبکی) علامہ شمس الدین ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ (بروایت ابن حجر) اور علامہ قاضی القضاۃ کمال الدین ابن الزملکانی متوفی ۷۲۷ھ (بروایت سبکی) جیسے اکابر بھی ان کے تلامذہ مین شامل ہین، دونون آخر الذکر بزرگ یعنی ابن قیم اور ابن زملکانی نے شیخ صفی الدین سے علم اصول کی تحصیل کی تھی[1]، اسنوی اور قاضی ابن شہبہ باتفاق الفاظ لکھتے ہین :-

"اصول و معقول کا درس دیا، اور لوگون نے ان کے تلامذہ و تصانیف سے فائدہ اٹھایا"۔

تصنیف و تالیف | درس و تدریس اور خدمتِ افتاء کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری تھا، لیکن افسوس ہے کہ ان کی کتابون کے متعلق جستجو کے باوجود کچھ تفصیلی معلومات حاصل نہ ہو سکین، صرف چند کتابون کے نام اور بعض کتب خانون مین ان کے موجود ہونے کا علم حاصل ہو سکا، ان کی کتابین علوم کے اعتبار سے اصول فقہ اور علم کلام مین ہین، قاضی ابن شہبہ سبکی اور ابن عماد باتفاق الفاظ لکھتے ہین :-

"ان کی تمام تصنیفات اچھی ہین، جامع ہین، خاص طور پر ان کی تصنیف النہایۃ"

ان کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہے :-

[1] شذرات الذہب جلد ۶ ص ۳۷ الدرر الکامنہ جلد ۳ ص ۴۰۱ (ترجمہ ابن قیم) طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۲۴۰ (صفی الدین) و جلد ۵ ص ۲۵۱ (ترجمہ ابن زملکانی)

(۱) **نہایۃ الوصول الی الاصول**، یہ اصول فقہ مین جامع تصنیف ہے، قاضی ابن شہبہ سبکی، ابن حجر، ابن عماد، حاجی خلیفہ اور طاش کبری زادہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے،

اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر مین محفوظ ہے، خط متوسط درجہ کا ہے، کتبخانہ مین اس کا نمبر خصوصی ۱۶۲، اور نمبر عمومی ۱۰۰۷۰ ہے[1]،

(۲) **الفائق**۔ اس کا بھی ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ مین محفوظ ہے، اس کا نمبر خصوصی ۸، و عمومی نمبر ۲۰۱۸ ہے،

علامہ سبکی و ابن عماد نے اس کو اصول فقہ مین بتایا ہے، لیکن قاضی ابن شہبہ اور ابن حجر نے علم کلام مین لکھا ہے، اور حاجی خلیفہ نے غالباً ابن حجر کے بیان کے مطابق اوس کو علم کلام مین لکھا ہے، لیکن کتب خانہ خدیویہ کے مرتب نے اس کو فن وار ترتیب مین اصول فقہ مین جگہ دی ہے[2]،

(۳) **الرسالۃ السنیہ فی اصول الفقہ**، یہ بھی اصول فقہ مین ہے، اس کے نام مین اشتباہ پیش آگیا ہے، طبقات الشافعیہ مین "الرسالۃ النفسیۃ" چھپا ہے، ابن عماد کی شذرات الذہب مین "الرسالۃ السیفیۃ" مطبوع ہے، قاضی ابن شہبہ کی طبقات الشافعیہ کے قلمی نسخہ مین "الرسالۃ السیفیۃ" ہے، حاجی خلیفہ نے "الرسالۃ السنیۃ فی اصول الفقہ" لکھا ہے[3]، ابن حجر اور طاش کبری زادہ نے اس کا تذکرہ نہین کیا ہے، اور نہ کسی کتب خانہ مین اس کا سراغ لگا،

(۴) **زبدۃ الکلام فی علم الکلام**، یہ رسالہ علم کلام مین ہے، قاضی ابن شہبہ سبکی، ابن عماد، ابن حجر، حاجی خلیفہ اور طاش کبری زادہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے[4]، اس کے کسی نسخہ کا پتہ نہ چل سکا،

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۶۲۲، مفتاح السعادۃ جلد ۲ ص ۲۱۵ فہرست کتبخانہ خدیویہ جلد ۲ ص ۲۶۹ [2] فہرست کتبخانہ خدیویہ جلد ۲ ص ۲۵۵ و کشف الظنون جلد ۲ ص ۱۶۳ [3] کشف الظنون جلد ۱ ص ۵۵۵

[4] کشف الظنون جلد ۲ ص [illegible] دیگر حواشی مثل سابق،

علامہ ابن تیمیہ سے مناظرہ

شیخ صفی الدین کی زندگی کے واقعات مین علامہ ابن تیمیہ سے انکا مناظرہ خاص شہرت رکھتا ہے،

علامہ ابن تیمیہ کلام و عقائد مین بالکل سلف کے متبع تھے، وہ اسلامی معتقدات مین کلامی تاویلات کے ہمنوا نہ تھے، چنانچہ صفاتِ الٰہیہ کے متعلق ان سے استفتا کیا گیا، تو انھون نے جواب مین ایک رسالہ لکھا، جس کو انھون نے "العقیدۃ الحمویۃ الکبری" سے موسوم کیا ہے، اس رسالہ مین ایک طرف صفاتِ الٰہیہ کے متعلق متکلمینِ اسلام کے طریق استدلال و دلائل کا رد کیا ہے، اور دوسری طرف محدثین سلف کے طریق استدلال کو پیش کیا ہے، اسی کے ساتھ اس مین شبہہ نہین کہ کہین کہین متکلمین پر سخت تنقیدین کی گئی ہین، اور لب و لہجہ بھی نا ملائم ہے، نیز بعض مقامات پر طریق ادا ایسا ہوگیا ہے، جس سے تجسیم کی جھلک نظر آتی ہے، اگرچہ علامہ ابن تیمیہ کو دراصل اس عقیدہ سے کوئی واسطہ نہ تھا، اور دوسرے مقامون پر انھون نے اس عقیدہ کی خود تردید کی ہے، یہ رسالہ ان کے مجموعۂ رسائل مین چھپ چکا ہے،

انہی وجوہ سے متکلمین کے درمیان علامہ ابن تیمیہ کے خلاف برہمی پیدا ہوئی، اور علماے اشاعرہ نے اس رسالہ کے جواب مین رسالے لکھے[1]، جابجا بحثین ہوئین، اور ہنگامہ اتنا بڑھا، کہ حکومت وقت کو اس مین مداخلت کرنی پڑی، چنانچہ ماہ رجب ۶۱۲ھ مین حکومتِ شام کی نگرانی مین دمشق کے شاہی محل دار السعادہ مین مناظرہ کی ایک بڑی مجلس منعقد ہوئی،

چونکہ اس زمانہ مین شام مین شیخ صفی الدین کی حیثیت شیخ الشیوخ کی تھی، شام کے علما

[1] علامہ سبکی نے شیخ شہاب الدین ابن جبیر بن الکلابی متوفی ۷۳۳ھ کے سوانح مین ان کے ایک رسالہ کو جو مسئلہ جہت پر علامہ ابن تیمیہ کے رد مین ہے، تمام و کمال نقل کیا ہے، یہ رسالہ علامہ موصوف کے اسی رسالہ العقیدۃ الحمویۃ الکبری کے جواب مین ہے، (طبقات الشافعیہ جلد ۵ ص ۱۸۱ تا ۲۱۲)

و اہلِ علم ان سے عقیدت و احترام سے پیش آتے تھے، اس لئے مناظرہ کی مجلس مین علماے اشاعرہ نے باتفاق عام شیخ صفی الدین ہندی کی موجودگی ضروری قرار دی، چنانچہ وہ بلائے گئے، اور حسبِ طلب مجلس مین شریک ہوئے،

اب چونکہ وہ اس جماعت مین سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے، اور والی شام بھی ان سے احترام و عقیدت سے پیش آتا تھا، اس لئے علامہ ابن تیمیہ سے مناظرہ کرنے کیلئے شیخ صفی الدین ہی منتخب کئے گئے، چنانچہ علامہ سبکی لکھتے ہین :-

"جب ابن تیمیہ کے ساتھ مسئلہ حمویہ مین جو کچھ پیش آنا تھا، وہ پیش آیا، تو اس کے لئے ایک مجلس دار السعادہ مین امیر تنکر (والی شام) کی موجودگی مین منعقد کی گئی، جب علما جمع ہوگئے، تو انھون نے باہم طے کیا، کہ شیخ ہندی بلائے جائین، چنانچہ وہ بلائے گئے..... امیر تنکر (والی شام) ہندی کی عظمت کرتا، اور ان سے عقیدت رکھتا تھا، اور یہ ہندی تمام شرکاے مجلس (علما) کے شیخ تھے، اور انہی کی رائے کا سب کے سب اتباع کرتے تھے"

مناظرہ شروع ہوا، اور شیخ صفی الدین نے تقریر شروع کی، شیخ کی عادت یہ تھی کہ وہ جس مسئلہ پر گفتگو شروع کرتے، اس کے تمام گوشون پر نظر ڈالتے، مخالف دلائل کا تجزیہ کرکے ایک ایک کا جواب دیتے، اپنے دلائل و مطالب کو اعتراضات سے بچا کر پیش کرتے، اور اس طور پر گفتگو ختم کرتے کہ مخالف کے لئے جواب کے کسی پہلو کا اختیار کرنا دشوار ہوتا،

شیخ صفی الدین نے اپنی اسی عادت کے مطابق گفتگو شروع کی، مگر ادھر ابن تیمیہ جیسے بحر زخار کا مقابلہ تھا، ان کی طبیعت کا رنگ جداگانہ تھا، اون مین تسلسل نہ ایچ پیچ کی باتون کو آخر تک سننے کی تاب کہان تھی، وہ اثناے گفتگو مین ٹوکتے، اور مسئلہ کو کسی دوسرے پہلو پر لیجانے سے روکنا چاہتے، جب یہی کشمکش بار بار پیش آئی تو شیخ صفی الدین نے مناظرانہ ظرافت سے فرمایا :-

"اے ابن تیمیہ! تمہین مین دیکھ رہا ہون کہ تم گوریّے کے مثل ہو جب مین چاہتا ہون کہ اس کو کسی ایک جگہ پکڑون تو وہ پھدک کر کسی دوسری جگہ پر بیٹھ جاتی ہے جو وہان پکڑنا چاہتا ہون تو وہ اڑ کر کسی اور جگہ پہونچ جاتی ہے۔"[1]

اس کے بعد شیخ صفی الدین کے شاگرد علامہ ابن زملکانی کھڑے ہوے اور اس کے بعد مناظرہ اور اس کے بعد کے نتائج کی ایک طویل داستان پیش آئی جس سے ہمین اس موقع کوئی سروکار نہین،[2]

اخلاق وعادات شیخ صفی الدین خوش خلق، شگفتہ مزاج اور سادہ دل تھے، حافظہ کچھ زیادہ اچھا نہ تھا، قرآن پاک ربع سے زیادہ حفظ نہ کرسکے، کہا جاتا ہے، کہ وہ ایک مرتبہ "المص" کو "المصّ" پڑھ گئے تھے، شوکانی نے اسی کو آڑ بنا کر ان پر طعن کیا ہے، نیز ان کی بدخطی اور زبان کی عجمیت کا تذکرہ ان کے سوانح نگارون نے خاص طور پر کیا ہے، شیخ صفی الدین نے خود اپنی بدخطی کا ایک دلچسپ لطیفہ بیان کیا ہے،

"کتابون کے بازار مین نے ایک کتاب دیکھی، مین نے اُس کے خط کے متعلق گمان کیا کہ یہ میرے خط سے بھی زیادہ خراب ہے، اس لئے اس کی قیمت زیادہ دی، اور اس وجہ سے

۱ طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۲۴۰ (ترجمہ صفی ہندی) والدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۵ (ترجمہ ہندی)

۲ اس مناظرہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: الدرر الکامنہ، ترجمہ ابن تیمیہ، البدر الطالع جلد ا ص ۶۶، ۷۰، ترجمہ ابن تیمیہ نیز ابن تیمیہ کے دیگر تراجم مین، علامہ شوکانی نے شیخ صفی الدین کے ترجمہ (ج ۲ ص ۱۸۰، ۱۸۱) ان کے ان مزاحیہ فقرون کے دوسرے معنی پہنائے ہین، جو حقیقت سے دور ہین، نیز ابن تیمیہ سے ان کے اس اختلاف کے سبب سے شیخ صفی الدین کے سوانح حیات مین ان کا لب ولہجہ بھی اچھا نہین رہا ہے،

اس کو خرید لیا کہ جب کبھی میری بدخطی کا کوئی ذکر آئے گا، تو اسکو دکھا سکون گا، کہ لوگون کا خط اس سے بھی برا ہوتا ہے، مگر جب مین اس کتاب کو خرید کر گھر لایا اور اس کو غور سے دیکھا تو وہ میرے ہی ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک پرانی کتاب نکلی،"[1]

زہد وورع اور عبادتگذاری شیخ صفی الدین کی زندگی زہد وورع اور عبادتگذاری مین بھی شانِ امتیاز رکھتی تھی، یہ شیخ ابن سبعین کے فیض صحبت کا ایک نمایان اثر تھا، پوری زندگی عبادتگذاری مین گذری، اوراد و وظائف کے بڑے پابند تھے، اور ادائے نماز مین غیر معمولی اہتمام کرتے تھے، ان کی عادت تھی، کہ رات رہتے اٹھتے، وضو کرتے، اچھے سے اچھے قیمتی کپڑے پہنتے، اور پورا لباس زیب تن کر لیتے، یہانتک کہ جراب اور مہیز تک پہن لیتے، اور اس پوری زیبایش کے بعد اسی ہیئت مین جانماز پر کھڑے ہو کر نماز مین پڑھتے رہتے،[2] تصوف کا پورا ذوق رکھتے تھے، اپنی جانشینی کے لئے اپنا خرقہ بھی عطا کیا تھا، اور وفات کے بعد مقابر صوفیہ ہی مین جگہ پائی،

اخلاف افسوس ہے کہ شیخ صفی الدین کی آل و اولاد کا پتہ نہ چل سکا، البتہ جانشین کی حیثیت سے شیخ صفوی ہندی کا نام تذکرون مین آتا ہے،

یہ شیخ شمس الدین محمد بن عبد اللہ صفوی ہندی (مولود بماہ صفر ۶۹۴ھ متوفی بماہ محرم ۷۷۶ھ) ہین، یہ رومی الاصل اور شیخ صفی الدین کے آزاد کردہ غلام تھے، انہی کے انتساب سے "صفوی" اور ان کی نسبت "ہندی" سے "ہندی" کہلائے، شیخ صفی الدین نے بچپن سے ان کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا، چنانچہ کتاب التنبیہ بچپن ہی مین حفظ کر لی، پھر دیگر علوم کی تحصیل کی، اور ممتاز علما مین شمار کئے گئے، شیخ شرف بن عساکر سے البنیویہ اور مومید طوسی کی اربعین کا نصف اول پڑھا، جعفر موازینی سے برقانی کی المصافحہ سنی، اور محمد بن مشرف وغیرہ سے سماعِ حدیث کیا، نیز عمر

۱ طبقات الشافعیہ جلد ۵ ص ۲۴۰ ۲ الدرر الکامنہ جلد ۴ ص ۱۵

ابن قواس اور عائشہ بنت مجد، نقیب عز الدین حسینی، ابو الفرج بن دریدہ، اسمٰعیل بن بطال، رشید بن ابو القاسم وغیرہ سے اجازت لی، علم ہیئت مین خاص مناسبت پیدا کی، چنانچہ علم بنا کیم مین ید طولیٰ حاصل کیا اور تعین اوقات کے آلات، اور طلوع و غروب کواکب کے تعینات مرتب کرتے تھے،

ابن حجر کہتے ہین کہ حدیث اور اہلحدیث سے محبت رکھنے والون مین سے تھے، فقہاً مذہب شافعی کے متبع تھے، شیخ صفی الدین نے انہی کو باصطلاح تصوف اپنا خرقہ عطا فرمایا تھا،[۱]

وفات | شام مین مذہب اشعری کے اس ہندوستانی علم بردار شیخ صفی الدین نے شب سہ شنبہ ۲۹ ماہ صفر ۶۱۵ھ کو ۱ برس کی عمر مین اس جہان فانی کو الوداع کہا، اور دمشق کے مشہور مقابر صوفیہ مین عزت و عقیدت کے ساتھ سپرد خاک کئے گئے،[۲]

ہندوستان اور شیخ صفی ہندی | ہندوستان کا یہ نامور فرزند جب تک زندہ رہا، ہندوستان کی یاد اس کے دم کے ساتھ قائم رہی، چنانچہ علامہ ابن حجر فرماتے ہین :-

وکانت فی لسانہ عجمۃ الھنود | ان کی زبان مین ان کے مرتے دم تک
باقیۃ الی ان مات،[۳] | ہندی پن باقی رہا،

رحمۃ اللہ علیہ و علیٰ آبائہ اجمعین،

۱؎ الدرر الکامنہ جلد ۳ ص ۴۸۹ شذرات الذہب جلد ۶ ص ۴۲ ۲؎ طبقات الشافعیہ اسنوی و قاضی ابن شہبہ ۳؎ الدرر الکامنہ جلد ۳ صفحہ ۴۸۹،

تاریخ اخلاق اسلام حصہ اول

اس مین اسلامی تاریخ کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۲ صفحے، قیمت ۲،

"منیجر"

"شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک"

(استدراک و تنقیح)

از

مولانا مسعود عالم ندوی کیٹلاگر اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ

(۲)

"اس استدراک کی پہلی قسط مین مولانا سندھی کی اس شکایت کا ذکر آیا ہے، کہ سید صاحبؒ کے تذکرہ نگار ان کے کمالات بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہین، تاکہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے ان کا سلسلہ منقطع ہو جائے، اور وہ تحریک کے "مان باپ" ثابت ہون" (ص ۱۷۵، ۱۴۴) ہم نے جواب میں عرض کیا تھا، کہ شکایت بے جا اور خلاف واقعہ ہے، حضرت شاہ عبد العزیزؒ صاحب سے سید صاحبؒ کے تلمذ اور ارادت کا انکار کسی نے نہین کیا، بلکہ اُسے سب فخریہ بیان کرتے آئے ہین، پچھلے دنون حسن اتفاق سے مولانا سندھیؒ کے استاذ الاستاذ (اور استاذ بھی) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (ف ۱۳۲۳ھ) کے بعض تاثرات نظر سے گذرے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کی محبت و عقیدت مین انھین حد درجہ غلو تھا، مناسب معلوم ہوا کہ حضرت سید شہیدؒ کے متعلق مولانا سندھی کے استاذ (اور ان کے حزب دہلوی کے امام) کے خیالات بھی ناظرین کے سامنے آجائین، ملاحظہ ہو،

مولانا حکیم سید عبدالحئی (ف ۱۳۳۱ھ) مولانا رشید احمد صاحبؒ کی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہین :-

".... فرمایا کہ سب مشائخ طبیبِ امت ہین، اپنے اپنے زمانے کے لوگون کے اعتبار سے طرق انھون نے رکھے ہین، سب کا مآل ایک ہے ..... بعد کے لوگون نے بدعتین داخل کر دی ہین، ان کے مجدد حضرت سید صاحبؒ ہوے ...... پھر فرمایا کہ مجھکو حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ محبت وعقیدت اعلیٰ درجہ کی ہے، مین یہ جانتا ہون کہ وہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحب سے بڑھکر ہین، باقی خدا جانے کون بڑھکر ہے، لیکن میرے دل مین ہمیشہ یہی آتا ہے، مین اپنے قلب کا مختار نہین ہون، یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے، پھر مین کہتا ہون، اللہ تو ہی جانے مین مجبور ہون ...."

(ارمغانِ احباب : معارف جلد ۳ ہ صفحہ ۳۴۴)

"اس اقتباس سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ محبت وعقیدت کا کوئی آئین نہین ہوتا، سید صاحبؒ کے کسی تذکرہ نگار نے انھین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (ف ۱۲۳۹ھ) پر ترجیح نہین دی، لیکن مولانا رشید احمدؒ جیسے ربانی عالم انھین حضرت شاہ صاحبؒ سے بھی بڑھا ہے ہین، جب حزب دہلوی کے مرکز مین محبت وعقیدت کا یہ انداز تھا تو پھر ایک مخصوص خطہ یا خاندان کو موردِ عتاب بنانا کہان تک بجا کہا جا سکتا ہے ؟

پیشِ نظر مضمون سے متعلق دو تین گذارشین اور کرنا ہین :

(الف) مولانا سندھی کی کتاب مین عربی عبارتون کا ترجمہ نہین کیا گیا ہے، راقم نے قوسین کے اندر منقولہ عربی عبارتون کے اردو ترجمے دیدیئے ہین،

(ب) کسی اقتباس کے اندر اگر اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرنا پڑا ہے، تو اسے بھی قوسین

ہی کے اندر درج کیا ہی،

(ج) مقدور بھر اعیان واعلام کے سالِ وفات درج کرنے کا التزام رہا ہے، پھر بھی کوشش کے باوجود دو تین بزرگون کے سنینِ وفات کا پتہ نہ چل سکا،

(د) سیرت سید احمد شہید، تذکرۂ صادقہ، سوانح احمدی، ان کتابون کے آخری ایڈیشن پیش نظر رہے ہین،

(ھ) جہان کہین صرف صفحات کا حوالہ ہے (اور کتاب کا نام نہین) وہان مولانا سندھی کی زیرِ نظر کتاب (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک) مراد ہے، اسی طرح صرف مولانا یا ہمارے مولٰنا سے اشارہ جناب مولٰنا عبید اللہ سندھی کی طرف ہے"

(م، ع)

حضرت سید شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) کے بعد مولٰنا سندھی ان کے اہل حدیث رفیقون اور اہل صادق پور کے زیادہ شاکی ہین، عام اہلِ حدیث رفیقون سے صرف اتنی شکایت ہے، کہ وہ افغان علاقے مین بھی عمل بالحدیث سے باز نہ آئے :

"اب حزب ولی اللہ کی خصوصیات پر زور نہین دیا جاتا بلکہ نجدی و یمنی طریقون پر کام کرنے والے ہندوستانی حنفی فقہ کی پابندی ضروری نہین سمجھتے، جس سے افغانون کو مجاہدین سے مذہبی عداوت پیدا ہو گئی، امیر شہیدؒ نے بارہا کوشش کر کے علماء افاغنہ اور عوام کو یقین دلایا کہ امیر اور ان کا خاندان ہمیشہ محققین حنفیہ کے طریقہ کا پابند رہا ہے، مگر حزب ولی اللہ کی امتیازی خصوصیات تسلیم نہ کرنے والے لوگ اس پابندی کو قبول نہ کرتے، اور معاملہ روز بروز بگڑتا گیا" (ص ۱۵۹)

مصلحتِ وقت کے لحاظ سے ان عاملین بالحدیث کے "اصرار" (اگر انھون نے واقعی

حضرت سید شہیدؒ کے سمجھانے کے باوجود عمل بالحدیث پر اصرار جاری رکھا) کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ نہ صرف امام ولی اللہ دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ) کا نام لے کر تو ان پر زبانِ طعن کو دراز نہین کیا جا سکتا حضرت شاہ صاحب نے جو خاکہ بنایا تھا، اس پر سب سے پہلے خود ان کے پوتے ہی نے عمل درآمد شروع کر دیا تھا،

جب مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے حجۃ اللہ امام عبدالعزیز سے پڑھی تو اپنے جدامجد کے طریقہ پر عمل شروع کر دیا، انھون نے اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کی، جو حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرتے، اور وہ شافعیہ کی طرح رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ سنن پر عمل کرتے تھے، اس سے دہلی کے عوام مین شورش پھیلتی رہی، مگر حزب ولی اللہ کا کوئی عالم اُن پر اعتراض نہین کر سکتا، (ص ۱۶۱)

جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر آپ فقہ حنفی کی پابندی کو حزب ولی اللہ کی خصوصیات مین کیون داخل کرتے ہین ؟ کیا حضرت شاہ صاحبؒ کے مشرب کے مطابق ان جزئیات مین رواداری نہین برتی جا سکتی ؟

اب صرف افغانی علاقہ مین "عمل بالحدیث" کا سوال باقی رہجاتا ہے، مولانا کی روایت ہے:

"جب افغانی علاقہ مین ہجرت کا فیصلہ ہوا، تو امیر شہید نے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے دریافت کیا، کہ مولانا! آپ رفع یدین کیون کرتے ہین ؟ مولانا نے کہا، رضاے الٰہی حاصل کرنے کے لئے، امیر شہید نے کہا کہ مولانا! اب رضاے الٰہی کے لئے رفع یدین کرنا چھوڑ دیجئے، اس کے بعد مولانا شہید کی خاص جماعت نے بھی ان کی اطاعت مین یہ اعمال چھوڑ دیئے"

(ص ۲-۱۹۱، بروایت امیر شاہ خان مرحوم)

اولاً تو ہمین اس شاذ روایت کے قبول کرنے مین تامل ہے،[1] مولانا شہیدؒ کی تنویر العینین پڑھکر

[1] ہندستان مین اہل علم کی ایک بڑی جماعت امیر شاہ خان کی اس روایت کو ایک "دمینی" قرار دیتی ہے، لہٰذا ہم نے صرف تامل کیا ہے،

یہ تاثر ہوتا ہے کہ وہ تقلید کے دائرے سے نکل کر عمل بالحدیث کو اپنا شعار بنا چکے تھے، لیکن ہم صرف اس بنیاد پر روایت کی تکذیب نہین کر سکتے، ہو سکتا ہے کہ اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے مصلحت وقت کی خاطر انھون نے سید شہید کے مشورے سے رفع یدین وغیرہ ترک کر دیا ہو، یہ کوئی فرض و واجب کا سوال تو ہے نہین سنن و مستحبات مین عاملین و تارکین مین سے کسی کو بھی متشدد نہین ہونا چاہئے، اور جہانتک خاکسار کی حقیر معلومات کا تعلق ہے، امام ولی اللہ کا مسلک یہی تھا، امام ابن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ) نے بھی اس پر بار بار زور دیا ہے،[1]

لیکن حزب ولی اللہ کی تشکیلِ جدید کا دم بھرنے کے باوجود مولانا کا رویہ عاملین بالحدیث کے ساتھ منصفانہ نہین، جس کی ایک جہاندیدہ وسیع النظر عالم سے توقع نہین تھی، حیرت تو اس پر ہوگی کہ اس سلسلے مین غلط الزامات عائد کرنے سے بھی وہ دریغ نہین کرتے، ملاحظہ ہو:-

"مگر وہ لوگ جو نجدی اور یمنی علماء کے شاگرد تھے، باز نہ آئے، اور انہی لوگون کے بیجا اصرار نے مشکلات پیدا کر دین، امیر شہیدؒ نے ان کے رہنما کو جو محمد اسماعیل اور امام شوکانی دونون کا شاگرد اور زیدی شیعہ تھا، اپنی جماعت سے نکلوا دیا، مگر فساد کی آگ پھر بھی بھڑکتی رہی"

[1] ملاحظہ ہو:- فتاویٰ ابن تیمیہ جلد دوم ص ۳۰۴، ۳۰۵، مطبعۃ کردستان العلمیہ،

بات پر بات نکلتی ہے، امام ابن تیمیہ کی مناسبت سے مولانا سندھی کی ایک دلچسپ بات یاد آگئی، و ابن تیمیہؒ کے علم و فضل کے تو مداح ہین، لیکن ان کے خیال مین امام کے لطیف نکتے اہلِ ہند کے دماغون مین نہین اتر سکتے یعنی یونانی خرافات اور متکلمین کی پرپیچ باتین تو یہ خوب سمجھ سکتے ہین لیکن قرآن و حدیث کی سادہ اور فطری سچائیان ان کے ذہن و دماغ مین نہین سما سکتین اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہو سکتی ہے؟ معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو اچنبھا ہوتا مولانا کے الفاظ یہ ہین :- ہمارے اہلحدیث بھائی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے دقیق مسائل سے حظ اٹھاتے ہین مگر یہ نہین دیکھتے کہ آیا یہ لطیف علوم ہندستان کا متوسط طبقہ بہ آسانی قبول کر سکتا ہے؟ اس کے لئے عربی ذہنیت موزون ہے" (ص ۹۹)

نجدی اور یمنی علماء پر اطمینان سے گفتگو ہو گی، یہان خاکسار صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہے کہ اہلحدیث عالمون کے جس رہنما کو مولانا زیدی شیعہ کہتے ہین، وہ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی مہاجر مکی (ف ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ) ایک متبع سنت سلفی، عالم ہین، ان پر زیدیت اور شیعیت کا الزام عائد کرنا بڑا ظلم ہے، مولانا نے ان کا ذکر خیر "مختلف جگہون پر کیا ہے، دو موقعون پر زیدی شیعہ (ص ۱۹۵-۱۶۲) اور ایک مقام پر نواب صدیق حسن خان صاحب (ف ۱۳۰۷ھ) کا استاذ بھی بتایا گیا ہے، لیکن نام لینے سے احتراز رہا ہے، صرف ایک جگہ کتاب التمہید کے اقتباس مین ان کا نام آتا ہے :-

"......وانضم اليه الشيخ عبد الحق بن فضل الله البنارسي الذي ينتسب الى الصدر الشهيد واخذ عن الامام الشوكاني

اور ان کے ساتھ (یعنی مولانا ولایت علیؒ کے ساتھ) شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسی بھی مل گئے، جو مولانا اسماعیل شہید (صدر شہید) سے انتساب رکھتے ہین، اور امام شوکانی کے (بھی) شاگرد ہین،

(ص ۱۹۱)

یہی مضمون دوسری جگہ ایک اضافے کے ساتھ یون ادا ہوتا ہے :-

"جس ہندوستانی عالم کو (جو مذہباً زیدی شیعہ تھا) امیر شہید نے اپنی جماعت سے نکلوا دیا تھا وہ بھی مولانا ولایت علی کے ساتھ شامل ہو گیا، نواب صدیق حسن خان اسی استاذ کے واسطے سے امام شوکانی کے شاگرد ہین"...... (ص ۱۹۵)

ہمین نہین معلوم کہ امیر شہید نے انھین کب "جماعت سے نکلوا دیا تھا" کیا اس کا کوئی مستند ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے ؟

اب رہا شیخ عبدالحق بن فضل اللہ پر زیدیت اور شیعیت کا الزام اسکی حیثیت ایک بہتان

سے زیادہ نہین، دیکھئے کہین "مرغ قبلہ نما" تو آپ کی ناوک افگنی کا نشانہ نہین بن رہا ہے :-

مولنا عبدالحق بنارسی (۱۲۰۶ھ – ۱۲۷۶ھ)[۵۱] علماء اہلحدیث اور شاہ اسماعیل و مولنا عبدالحیؒ کے تلامذہ مین سے تھے، طلب حدیث کے شوق مین سفر کیا، اور قاضی محمد بن علی شوکانیؒ عبدالرحمن بن احمد بن الحسن البہکلی، شیخ عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیلؒ الامیر الیمانی اور شیخ محمد عابد بن احمد علی السندی سے استفادہ کیا، اور حدیث کی عام اجازت حاصل کی"

(سیرت سید احمد شہید طبع دوم ص ۴۰۴ بحوالہ نزہتہ الخواطر قلمی)

تاریخی نام "فضل رسول" اور تاریخ وفات "فیقفضل رسول" آپ کے والد بزرگوار مئو تھی کو ترک اقامت فرما کر بنارس مین قیام پذیر ہوئے، اور یہین کے ہو رہے،..... جیسے استاذ اور ہم سبق آپ کو ملے، کب کسی کو نصیب ہونگے، شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے حلقہ درس مین شہید علیہ الرحمۃ کے شریک سبق ہو کر حدیث پڑھ رہے ہین، امیر المومنین حضرت سید احمدؒ مرحوم (اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ) اپنے قطبین کے ہمراہ زیارت حرمین سے مشرف ہو رہے ہوتے ہین، دہلی سے تکمیل کے بعد یمن جاکر امام محمد بن علی قاضی شوکانی سے حدیث پڑھ رہے ہین، سند و اجازہ بنفسہ امام شوکانیؒ سے حاصل ہے،........ جن کے درس مین قاضی شیخ محمد مچھلی شہری[۵۲] اور مولانا قاضی سید جلال الدین[۵۳] بنارسی ایسے اعلام محدث ہون اس درس کی شہرت اور وسعت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے،......

(تراجم علمائے حدیث ہند: ص ۴۴۳)

---

۵۱ ان کی وفات ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ ہجری مین ہوئی، غالباً یہ کتابت یا طباعت کی غلطی ہے،

۵۲ (م ۱۲۵۲ھ - ف ۱۳۲۴ھ) تراجم علمائے حدیث ہند ص ۳۸۰-۳۷۴،

۵۳ (م ۱۲۲۱ھ - ف ۱۲۷۹ھ) تراجم علمائے حدیث ہند ص ۳۴۵-۶،

یہ تو اپنون کی روایت تھی، اب ذرا تفریح کے لئے غیرون کی بنائی ہوئی کہانی بھی سنئے: اس سے معلوم ہوگا، کہ شیخ عبدالحق کی مظلومیت کوئی نئی نہیں، اپنے شیخ حضرت سید شہید اور استاذ مولانا شہیدؒ کی طرح یہ بھی غیرون کے حلقے مین نیک نام نہیں، جماعت مجاہدین کر خاص کرم فرما مسٹر اوکینلے (James O'Kinealy) مولنا ولایت علی کے تذکرہ مین رقم طراز ہین :-

"ایک معلم کی حیثیت سے نمودار ہونے سے پہلے یہ (مولانا ولایت علی) بنارس کے ایک متعصب وہابی عبدالحق کے مرید ہوگئے تھے[1]۔ اس شخص کا اصلی نام غلام رسول (؟) تھا لیکن وہابی تعلیمات اختیار کرنے کے بعد اس نے یہ غیر مذہبی نام ترک کردیا، اور عبدالحق نام اختیار کیا، اس کے بعد یہ مکہ گیا، جہان اس کے "مبتدعانہ" خیالات کی خبر تر کی حکام کو ہوئی، گرفتاری کا حکم صادر ہوا، لیکن یہ کسی طرح نجد پہونچ گیا، (؟) چند سال نجد مین رہ کر یہ بنارس واپس ہوا جہان یہ شیخ نجدی کے نام سے مشہور تھا، مولوی ولایت علی اس کے اولین حلقہ بگوشون (Converts) مین تھے،

ایک دوسرے صاحب اسی مین نمک مرچ لگا کر یون خامہ فرسا ہین :-

"ایک بات اور بھی ہے جس مین ہندوستانی وہابی اپنے عرب بھائیون سے الگ ہین یعنی یہ کہ سید احمد امام مہدی ہین (؟) ولایت علی (عبدالحق کا ایک مرید نجد ہی مین وہابی ہوچکا تھا، لیکن بنارس مین رہتا تھا) نے اس عقیدے کی تبلیغ کی، اور اس پر ایک

---

[1] اوکینلے کا مقالہ : The Wahabis in India مندرجہ کلکتہ ریویو ۱۸۷۰ء مولنا ولایت علی شیخ عبدالحق کے مرید یا شاگرد نہین تھے، البتہ دونون ایک استاذ (مولانا اسمٰعیل شہیدؒ) کے شاگرد اور ایک شیخ (حضرت سید احمد شہیدؒ) کے مرید تھے،

کتاب بھی لکھی[1] (؟)

اپنون کی روایت کے ساتھ آپنے غیرون کی "تلبیس" بھی دیکھ لی، اب خود شیخ عبدالحق کی زبانی ان کے حالات و خیالات معلوم کیجئے، نواب صدیق حسن خان صاحب (ف ۱۳۰۷ھ) کو روایت حدیث کی اجازت دیتے ہوئے لکھتے ہین :-

"......وبعد فان الشیخ الفطن......	(حامداً و مصلیاً) مولانا سید اولاد حسن محدث
مولانا السید صدیق حسن نجل مولانا	قنوجی کے صاحبزادے فاضل لبیب مولانا
السید اولاد حسن المحدث القنوجی	صدیق حسن نے مجھ سے (روایت حدیث
......طلب منی اجازۃ عامۃ ومثلی	کی) عام اجازت مانگی، حالانکہ مجھ جیسا
منه یطلب ولست باهل ان اُجاز	آدمی ان سے اجازت طلب کرتا، اور
فکیف ان اجیز ولکن الحقائق قد تخفی	مین تو اجازت دیئے جانے کا بھی اہل
وقد منّ اللہ تعالیٰ علیّ بالمثول عند	نہین، چہ جائیکہ (مین خود) اجازت دون،
ائمۃ السنۃ النبویۃ والسماع	لیکن بعض اوقات اصلیت چھپ جاتی
منھم للآثار والاحادیث المصطفویۃ	ہے: اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے
واخذ الاجازات عنھم فاولھم	حقیر کو ائمہ سنت نبوی کی خدمت مین
واجلھم الامام الھمام فخر	حاضری ان سے حدیثین سننے اور اجازتین
الاسلام العالم الربانی مولانا	حاصل کرنے کا موقع ملا، ان مین سب سے

---

[1] E. Rehatsek کا مضمون، The history of the wahhabys in Arabia and in India مندرجہ جنرل رایل ایشیاٹک سوسائٹی، بمبئی جلد ۱۴ (۱۸۸۰ء) ص ۳۶۱

قاضی محمد بن علی الشوکانی؛ ...... وقرأت اکثر[1] ...... کتب الحدیث علی اسوۃ المحدثین وارث علوم سید المرسلین العلامۃ النبیل مولانا شیخ محمد اسماعیل الشہید تغمدہ اللہ بغفرانہ المدید وعلی شیخی[2] ومرشدی مولانا الشاہ عبد القادر اعلی اللہ درجاتہ وخصہ بہا وعلی اکمل العلماء و افقہ الفقہاء قدوۃ المحدثین عمدۃ الکاملین الشیخ العلامۃ مولانا شاہ عبد العزیز الدہلوی قدس اللہ سرہ بلطفہ الخفی والجلی ...... واوصیہ بتقوی اللہ عز وجل واتباع الحق اینما کان ومع من کان

اوّل اور مقدم عالم ربانی، فخر اسلام امام اجل مولانا قاضی محمد بن علی شوکانی ہین، ...... اور مین نے حدیث کی اکثر کتابین علوم نبوی کے وارث، اسوۂ محدثین، علامہ جلیل، مولانا شیخ محمد اسماعیل شہید (تغمدہ اللہ بغفرانہ المدید) اور اپنے شیخ ومرشد مولانا شاہ عبد القادر (اعلی اللہ درجاتہ وخصہ بہا) اور علما وفقہا کے سرتاج، محدثین وکاملین کے سرخیل، مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی (قدس اللہ سرہ بلطفہ الخفی والجلی) سے پڑھین ...... اور مین انھین تقوی الٰہی کے ساتھ ساتھ اتباع حق کی نصیحت کرتا ہون، حق جہان بھی ہو، اور جس کے ساتھ بھی ہو، اس کی اتباع کرنا چاہئے، (اسی طرح)

---

[1] اس کے بعد اپنے دوسرے شیوخ یمن وحجاز کے نام لئے ہین، جن مین امام عبد اللہ بن محمد اسماعیل الامیر (ف ۱۲۴۲ھ) عبد الرحمن بن احمد بن حسن بہکلی (ف ۱۲۲۷ھ) زیادہ ممتاز ہین، (تفصیل کے لئے: اتحاف النبلاء ص ۲۶۴)

[2] شیخی ومرشدی کے فقرے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شیخ عبد الحق مولانا شاہ عبد القادر صاحب (ف ۱۲۴۳ھ) سے بیعت تھے مصنف سیرت سید احمد شہیدؒ نے انھین سید صاحبؒ کے خلفا مین شمار کیا ہے (ص ۴۰۴)

والعمل بصحیح السنۃ ومجانبۃ البدعۃ والاستقامۃ علی قدم الحق والصدق ...... قالہ بفمہ وحررہ بقلمہ خادم السنۃ النبویۃ عبد الحق المحمدی ..... فی سلخ رجب سنۃ خمس وثمانین ومائتین والف الہجریۃ،

(اتحاف النبلاء: ص ۲۶۳)

صحیح سنت پر عمل کرنے، بدعت سے بچنے، اور حق وصداقت کی راہ پر ثابت قدم رہنے کی (نصیحت کرتا ہون) ...... یہ (سب کچھ) سنت نبوی کے خدمت گذار عبد الحق محمدی نے اپنی زبان سے کہا، اور (یہ سطرین) اپنے قلم سے لکھین، مورخہ آخر (۲۹ یا ۳۰) رجب ۱۲۸۵ھ ہجری

کیا اس "اجازت نامہ" کے بعد بھی ان پر نجدیت اور شیعیت کا الزام رکھا جائے گا؟ اگر اس سلسلہ مین کوئی غلط فہمی تھی، تو اب دور ہو جانا چاہئے، نجدیون کے مجتہد الفکر محقق سلفی عالمون کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنا کوئی جرم نہین، اور عبد الحق بنارسی تو علماے یمن سے پہلے اساطین خانوادہ ولی اللّٰہی کے شاگرد اور کفش بردار ہین، البتہ ان کی نظر ہندوستان تک محدود نہین، اور اس طرح پر وہ مولانا سندھی کی اصطلاح مین "انٹرنیشنلسٹ" ہین، اور ہمارے مولانا کے ہان اس سے بڑا کوئی جرم نہین[1]

---

[1] مولانا فرماتے ہین: "...... سطح حزب ولی اللہ کو ایک نیشنل پارٹی سمجھنا چاہئے، جو انٹرنیشنل رجحان رکھتی ہو اور ان ہندوستانیون کو جو نجدی یمنی، ذہنیت رکھتے ہین، ایسی پارٹی سمجھنا چاہئے، جو انٹرنیشنل نقطۂ نظر کو اساس قرار دیتی ہے (ص ۱۶۳)" ...... مثلاً روس مین ٹروٹسکی کی جماعت انٹرنیشنل نظریہ رکھتی ہو، واضح رہے کہ ٹروٹسکی یہودی النسل ہے، اس کے مقابلہ مین اسٹالن جو خالص روسی ہے، کی جماعت انٹرنیشنل میلان رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ سٹالن نے ٹروٹسکی کی ساری جماعت کو جو عموماً یہودی تھی، قتل کرا دیا، اسی طرح اسلام ایک انٹرنیشنل تحریک ہے

بہرحال شیخ عبدالحق کی زیدیت سے برأت کیلئے یہ اجازت نامہ کافی ہے، اگر کسی کو اس سے بھی اطمینان نہ ہو تو مزید ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن مولانا کا الزام خود قاضی محمد بن علی شوکانی [illegible] پر ہے، وہ نیل الاوطار کے مصنف کو زیدی ہی سمجھتے ہیں[ھ]، اور اہل صادق پور کی فرد جرم میں شوکانی سے تلمذ اور نجدی و یمنی تحریکوں سے ہم آہنگی بھی ہے، نجدی یمنی اور ہندوستانی تحریکوں کا باہمی تقابل ایک دلچسپ بحث ہے اور مولانا سندھی نے ہندوستانی اور نجدی (اور اسی طرح ہندوستانی اور یمنی) تحریکوں کے فرق پر بڑی گہری اور نکتے کی باتیں کہی ہیں، البتہ وہ نجدی اور یمنی تحریکوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں، گویا ان کے نزدیک دونوں بالکل ایک ہیں، جہاں تک روح کا تعلق ہے ہندوستان کی تحریک جہاد و تجدید (یعنی حضرت سید صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک) اور نجد و یمن کی دعوت توحید میں کوئی فرق نہیں، مولانا عبید اللہ سندھی جیسا وسیع النظر اور دقیقہ رس

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) اور ۶- بی ترکی ایرانی ہندی (یہ سب) منفی تحریکیں ہیں، ایک عرب جو اسلامی میلان رکھتا ہے یا ایک ہندی جو اتحاد اسلام کی فکر رکھتا ہے تو یہ مثال ہوگی سٹالین کی، اور ایک ایسا آدمی جو سوائے اتحاد اسلام کے اور کوئی چیز نہیں مانتا جیسے یمنی نجدی تحریکوں سے متاثر ہندوستانی، یہ ہے مثال ٹروٹسکی کی، کیونکہ وہ بجز اسلام کے سب چیزوں کو نہیں مانتے، ہندوستانیت عربیت وغیرہ انکے ہاں کوئی چیز نہیں ہے لہذا ان ہر دو جماعتوں میں اختلافات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، (حاشیہ ص ۲-۱۶۲) جی چاہتا تھا کہ ٹراٹسکی اور اسٹالن کی تشبیہ پر کچھ عرض کروں، مگر طول کلام کے خوف سے رک گیا تو اب مولانا کی توجیہ کے مطابق ہمیں نجدی و یمنی تحریکوں سے متاثر ہندوستانیوں کی انٹرنیشنلزم ہی پسند ہے اور واقعی ہم اسلام کے سوا سب چیزوں کو نہیں مانتے، اور ہمارے ہاں ہندوستانیت، عربیت وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے اب آپ چاہے ہمیں اسٹالن کی طرح جلاوطن کر دیں یا پھانسی پر لٹکا دیں، ہم تو اسلام اور اتحاد اسلام کی رٹ لگاتے ہی رہیں گے، یہ ایک سخن گسترانہ بات تھی جو متن کے بجائے، حاشیے میں آگئی، ورنہ ہمیں مولانا کی اس تعبیر توجیہ سے اتفاق نہیں،

۵ مولانا سندھی زیدیت اور شیعیت کا ذکر ایک ساتھ اس انداز میں کرتے ہیں جس سے شبہ ہوتا ہے کہ زیدیت اور امام

عالم تقویۃ الایمان (مولانا شہیدؒ) اور کتاب التوحید (شیخ محمد بن عبد الوہاب) کی تعلیمات میں صرف دو جزئی فرق نکال سکا ہے، (ص ۷-۱۳۶) اسی طرح یمن کے سلفی عالم امام شوکانیؒ کی ارشاد الفحول فی تحقیق الحق من علم الاصول اور مولانا شہیدؒ کی اصول فقہ میں اجماع کی بحثیں ایک دوسرے سے مختلف نگاہ سے لکھی گئی ہیں، اور مولانا سندھی نے اس اختلاف کو بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے (ص ۱۴۰، ۱۳۸) اگر ان جزئی اختلافات کے باعث نجد و یمن اور ہندوستان کی تجدیدی تحریکیں ایک دوسرے سے الگ کہی جا سکتی ہیں، اور ان میں سے ایک کے لئے دوسرے کے ساتھ ارتباط قائم کرنا جرم قرار دیا جا سکتا ہے، تو پھر نجد و یمن کی تحریکوں کا ایک سمجھنا بھی صحیح نہیں، نجد و ہند کی تحریکوں میں جتنا اختلاف ہے، اس سے کہیں زیادہ فرق علمائے نجد و یمن کے افکار میں ہے جس کی تفصیل اس ضمنی بحث میں نہیں ہو سکتی، نجدی یمنی، اور ہندوستانی تحریکوں کا باہمی تقابل جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں، ایک دلچسپ موضوع بحث ہے، اور مستقل فرصت چاہتا ہے، آگے چل کر انشاء اللہ اس پر مفصل گفتگو ہوگی،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۲) شیعیت (اثنا عشریت) میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں، اور یہ اس لئے کہ عقیدۂ غیبوبت (یعنی سید صاحبؒ کے عدم شہادت کا خیال) کا سلسلہ یمن اور شوکانیؒ سے ملایا جائے، حالانکہ زیدیت اور اثنا عشریت میں بڑا فرق ہے، امام منتظرؑ کا عقیدہ اثنا عشریت کا لازمی جزء ہے، زیدی تو حضرت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (شہ ۱۲۲ھ) کو مانتے ہیں، اور امام غائب کے قائل نہیں، (الملل والنحل، شہرستانی ص ۱۱۸-۱۱۵ طبع یورپ) اس لئے بفرض محال امام شوکانی کو اگر زیدی مان بھی لیا جائے تو اس سے عقیدۂ غیبوبت کا سلسلہ یمن اور شوکانی سے نہیں ملتا، سید صاحبؒ کی غیبوبت کا خیال ہندوستان ہی کے خاص حالات کی پیداوار ہے، یہ عام مجاہدین کی ایک لغزش تھی، مغربی تحقیق کرنے والوں کی طرح خواہ مخواہ باہر سے سلسلہ ملانے کی ضرورت نہیں، بہرحال غیبوبت کی بحث ابھی آگے آتی ہے، زیدیت و یمن کی بحث اپنی جگہ پر آئے گی،

اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے موضوع پر آجاتے ہین، سید صاحب ان کے تذکرہ نگارون اور شیخ عبدالحق بنارسیؒ کے بعد مولانا سندھی کو زیادہ شکایت مولانا ولایت علی صادق پوری (ف ۱۲۶۹ھ) اور ان کے ہم مشرب اصحاب سے ہے، مولانا ولایت علی صادق پوری سے ہمارے مولانا خاص طور برافروختہ ہین، اسکی وجہ خود ان کی زبان مین یہ ہے:۔

"......کہ مولانا ولایت علی نے مولانا اسحاقؒ کے بالمقابل اپنی پارٹی بنائی، (ص ۱۱۲)

گویا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اولاً خود سید صاحبؒ ہی کی بیعت امارت، مولانا محمد اسحاق کی امارتِ مطلقہ کے خلاف بغاوت تھی، (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) اب سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد ان کے ماننے والون نے بھی اپنا سلسلہ الگ قائم رکھا، اور انھون نے مولانا محمد اسحاق کی دہلوی پارٹی (حزب دہلوی) مین شرکت نہین کی، اور اسی کو وہ انشقاقِ جماعت سے تعبیر کرتے ہین:۔

"لیکن یہ نہین سمجھنا چاہیے کہ دہلی سے باہر جس قدر جماعتین حزب ولی اللہ سے تعلق رکھتی تھین، ان تمام جماعتون نے الصدر الحمید کی رہنمائی پر اتفاق کر لیا تھا، بلکہ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ بالاکوٹ کی مصیبت عظمیٰ اپنے پیچھے اپنی مستقل یادگار چھوڑ گئی ہے، وہ ہے انشقاق الجماعۃ" یعنی اس کے بعد حزب ولی اللہ دو پارٹیون مین تقسیم ہو گیا،

(ص ۱۹۰-۱۸۹)

اس انشقاق کا ذکر دوسری جگہ ایسے انوکھے انداز مین ہوتا ہے، کہ عقل حیران رہ جاتی ہے پڑھئے اور جی چاہے تو مولانا کے طریقِ فکر کی داد دیجئے:۔

"مشرقی مغربی ہند کی رقابت تاریخ مین قدیم سے چلی آتی ہے، چندربنسی، سورج بنسی خاندان اسی مغربیت اور شرقیت کے دوسرے عنوان ہین، ہمارا یہ خیال ہے، کہ رقابت مذکورہ بعد از اسلام بھی قائم رہی، اور امیر شہید کے وقت مین بھی وہ بروئے کار آئی، امیر شہید

مشرقی ہند (رائے بریلی) سے تعلق رکھتے ہین، ان کے عامۂ مریدین بھی بہار وغیرہ کے ہین، اس کے بالمقابل مغرب یعنی دہلی ہے، وہ لوگ دہلوی تحریک کو اپنا بنانا چاہتے ہین، اسی لئے مولانا ولایت علی بہاری نے مولانا اسحاق کے خلاف دوسری جماعت تیار کی، وہ مولانا اسحاق اور حزبِ دہلوی کو اس میدان سے دور ہٹانا چاہتے ہین، (ص ۱۰۶-۱۰۵ حاشیہ)

ذہانت بھی عجیب چیز ہے، مولانا عبیداللہ کی ذہانت کی تعریفین سنا کرتا تھا، آج اس کا مشاہدہ ہوا کہان چندربنسی اور سورج بنسی رقابت؟ کہان سید شہیدؒ کے خلیفۂ خاص اور مولانا شہیدؒ و قاضی شوکانیؒ کے شاگرد مولانا ولایت علی صادق پوری؟؟ یہ ذہانت کا کرشمہ نہین تو اور کیا ہے،؟ اولاً تو پارٹی بنانے اور "انشقاقِ جماعت" کا الزام بے بنیاد ہے، اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مولانا محمد اسحاق (ف ۱۲۶۲ھ) اور مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) کے درمیان فکر و نظر کا اختلاف مان بھی لیا جائے تو اس سے چندربنسی اور سورج بنسی، دہلی اور بہار، پچھم اور پورب کی رقابت کہان ثابت ہوتی ہے؟ یہ نسل اور زمین کی عصبیت تو ان بزرگون کے حاشیۂ خیال مین بھی نہین آئی ہوگی، بات صرف اتنی ہے کہ جب امت کی سرسبز امیدین بالاکوٹ کی سرزمین مین دفن ہوگئین، اور چھوٹے بڑے سب پر ناامیدی چھا گئی، اچھون اچھون کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، اور ساری جماعت تتر بتر ہو رہی تھی، ایسے نازک وقت مین مولانا ولایت علی صادق پوری (جو سید صاحبؒ کے خاص خلفا مین تھے، اور انہی

۱؎ ہر ہر بات کی کہان تک تردید کیجائے، لیکن مولانا کا یہ کہنا بالکل غلط ہے، کہ سید صاحبؒ کے اثرات پورب ہی کے علاقون مین محدود تھے، یا یہ کہ پچھم کے عوام و خواص پر ان کا اثر بہت کم تھا، حقیقت یہ ہے کہ سید صاحب کے عقیدتمندون کا حلقہ پورب اور پچھم کو یکسان محیط تھا، دہلی، سہارنپور، مظفرنگر وغیرہ تو ان کے عقیدتمندون کا مرکز تھے،

(ملاحظہ ہو: ارمغانِ احباب از مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ: معارف جنوری۔ جون ۳۹ء)

کے حکم سے ایک تبلیغی مہم پر دکن گئے ہوئے تھے،) نے گرتے ہوئے علم کو اپنے ہاتھ مین لے لیا، اور عمر تک سید شہیدؒ کی مہم کو چلاتے رہے، اُن کے بعد ان کے عزیزون، رشتہ دارون، بھائیون، بیٹون اور عام ماننے والون نے جہاد فی سبیل اللہ کی مہم جاری رکھی، اور اس کی ان کے خاندان والون نے اتنی گران قیمت ادا کی، اور ایسی قربانیان پیش کین، جن کا نمونہ ہندوستان کی کوئی اسلامی یا غیر تحریک نہین پیش کر سکتی، بس مولانا ولایت علی کا قصور صرف یہ ہے کہ انھون نے سید صاحبؒ کی شہادت کی خبر سنتے ہی دکن سے وطن کا رُخ کیا، اور مجاہدین کے ٹوٹے ہوئے دلون کے جوڑنے اور بکھرے ہوئے شیرازے کی تنظیم مین مصروف ہوگئے، (۱۲۴۶ھ) اب اسے پارٹی بازی کہئے، یا انشقاق جماعت، آپ کو اختیار ہے، ہم اتنا جانتے ہین کہ سید صاحبؒ کی شہادت (۱۲۴۶ھ) کے بعد مولانا محمد اسحاق گیارہ بارہ سال ہندوستان مین رہے، (ہجرت: ۱۲۵۸ھ) اور مولانا ولایت علی کی سرگرمیون کے خلاف ان کی زبان سے کبھی ایک حرف نہین نکلا،

نیز مولانا سندھی ہی کا ارشاد یہ بھی ہے کہ مولانا محمد اسحاقؒ نے ۱۲۵۷ھ کے لگ بھگ اپنا نیا پروگرام مرتب کیا :-

"الصدر الحمید مولانا محمد اسحاق نے بالاکوٹ کے واقعہ کے بعد گیارہ سال کے غور و فکر سے امام ولی اللہ کی اجتماعی تحریک کا نیا پروگرام مکمل کر لیا (ص ۱۷۷)

اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہین، کہ مولانا ولایت علی نے ۱۲۴۸ھ مین اپنے ماننے والون سے از سر نو جہاد کی بیعت[۵] لی، تو کیا اس سے یہ ثابت نہین ہوتا، کہ مولانا ولایت علی ۱۲۴۸ھ سے ۱۲۵۷ھ تک اپنی سرگرمیون مین مصروف رہے، اور مولانا محمد اسحاق کم از کم اس سے ناخوش

[۵] ولا میر ولایت علی انضم الیہ عامۃ الشرقیین من البہادر (؟) وبنعالۃ (؟) فاخذ الی تجدید بیعۃ الجہاد بمحل اقامتہ صادقپور سنۃ ۱۲۴۸ (ص ۱۹۱)

نہین تھے، اور اُس وقت تک منظم طور پر وہ خود کوئی تحریک نہین چلا رہے تھے، بلکہ ہمارے پاس اس کا ثبوت ہے کہ ان دونون بزرگون کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے[۱]

مزید برآن ہمارے مولانا اس کا بھی اعتراف کرتے ہین کہ حزب دہلوی اور حزب صادق پوری کی تفریق مولانا محمد اسحاقؒ کی وفات کے بعد ہوئی :-

فہاجر الشیخ الی الحجاز فتوفی فی مکۃ	(تو شیخ حجاز ہجرت کر گئے، اور مکہ مکرمہ مین
سنۃ ۱۲۶۲ و بعد ماتو فی ظہر فی	وفات پائی، (۱۲۶۲ھ) اور ان کی وفات
المنتسبین الی الطریقۃ الولی اللّٰہیۃ	کے بعد طریقۂ ولی اللّٰہی پر چلنے والے دو فرقون
الطائفتان الحزب الدہلوی والحزب	مین بٹ گئے، حزب دہلوی اور حزب
الصادق پوری، (ص ۱۹۱)	صادق پوری)

تو پھر ان شہادتون کی موجودگی مین مولانا ولایت علیؒ پر مولانا اسحاق کے بالمقابل اپنی پارٹی بنانے کا الزام کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے ؟

اوپر کی تفصیل سے کم سے کم یہ بات تو صاف ہو گئی، کہ مولانا ولایت علیؒ نے مولانا اسحاقؒ

[۱] مولانا ولایت علی کے بھتیجے مولانا عبد الرحیم صادق پوری (مولود ۱۲۵۲ھ - متوفی ۱۳۴۱ھ) تذکرہ صادقہ مین رقم طراز ہین :-

"جناب مولانا ولایت علی نے شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نبیرۂ مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ دہلوی کی خدمت مین ترجمۂ قرآن از شاہ عبد القادر صاحبؒ اور رسائل مولانا اسماعیل شہید کے ارسال کی درخواست کی، اور جناب شاہ صاحبؒ کے ارسال فرمانے پر پہلے مطبع حسینی لکھنؤ مین انکے طبع کرانے کی سعی فرمایا، بعد انکا رصاحب مطبع آپنے زمانہ دورہ بنگال مین اس خدمت طبع کو اپنے خلیفہ مولوی بدیع الزمان صاحب بردوانی کے حوالہ فرمایا، چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے ایک ٹائپ پریس قیمتی دو ہزار خرید کرکے بکرات و مرات تعمیل ارشاد کیا ......(ص ۱۱۶)

کے مقابلہ میں کوئی پارٹی نہیں بنائی، لیکن ہمارے مولانا صرف اتنے ہی پر قناعت نہیں کرتے، وہ مولانا
محمد اسحاق ؒ سے لیکر مولانا شیخ الہند تک مختلف علماء و مشائخ کی مسلسل امامت و امارت ثابت
کرنے کے لئے اہل صادق پور پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں، اور کسی طرح یہ ثابت کرنا
چاہتے ہیں، کہ یہ لوگ امام ولی اللہ دہلوی کے طریقہ سے ہٹ گئے تھے، ان پر نجد کی وہابیت
اور یمن کی زیدیت اثر انداز ہوگئی تھی، اور حضرت شاہ صاحب ؒ کی حکمت کے اصلی وارث اور انکی
راہ پر ٹھیک چلنے والے مولانا عبید اللہ سندھی، اور ان کے شیوخ (اساتذہ) ہیں، ہمیں ان
شیوخ ؒ کے علم و فضل، تقویٰ و صلاح اور خدمات کا پورا پورا اعتراف ہے، اور یہ بہت ممکن ہے، کہ
ان حضرات کی سیاسی پالیسی صادق پوریوں اور سید شہید ؒ کے عام ماننے والوں سے مختلف رہی ہو
لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے، کہ حق و رشد کا انحصار انہی شیوخ میں ہے، اور ہندوستان میں
دینی اصلاح انہی کی ذات کے ساتھ وابستہ رہی، اور یہ کہنا یا سمجھنا کہ "ان شیوخ کے دامن شفقت
سے جو وابستہ نہ ہوا اس پر ہدایت کی راہ بند ہوگئی" ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں، سلسلۂ کلام
دراز ہوتا جارہا ہے، خاکسار یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ (ف ۱۱۷۶ھ)
کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد ان کے خاندان میں نظر و فکر کے دو مختلف رجحان نمایاں ہونا
شروع ہوگئے تھے، خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تو فقہ حنفی اور شافعی کو مساوی درجہ دیتے ہیں

۱؎ شاہ محمد اسحاق صاحب (ف ۱۲۶۲ھ) کے شاگرد حاجی امداد اللہ صاحب (ف ۱۳۱۷ھ) ان
کے شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ (ف ۱۲۹۷ھ) اور مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ (ف ۱۳۲۳ھ) اور ان
تینوں کے شاگرد اور جانشین (ص ۱۸۶) مولانا محمود الحسن شیخ الہند (ف ۱۳۳۹ھ) اور مولانا
شیخ الہند کے شاگرد و رشید مولانا عبید اللہ سندھی۔ گو مولانا کو مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی تلمذ
حاصل ہے، (ص ۱۸۸)

لیکن شاہ عبد العزیز صاحب فقہ حنفی سے مقید نظر آتے ہیں ۱؎ اور شاہ عبد العزیز صاحب (ف ۱۲۳۹ھ)
کی زندگی ہی میں مولانا اسمٰعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) نے عمل بالحدیث کی طرح ڈال دی تھی، اور دادا
کے بنائے ہوئے خاکے میں ہونہار پوتے نے رنگ بھرنا شروع کردیا تھا، اور پھر تکیہ رائے بریلی کے
سید زادے ؒ کی صحبت نے تو ان کے نظر و فکر کی دنیا ہی بدل دی، دوسری طرف شاہ عبد العزیز
صاحب کے نواسے مولانا محمد اسحاق ؒ (ف ۱۲۶۲ھ) ہیں، جن کے پروگرام میں مولانا سندھی کے بیان
کے مطابق حنفی مذہب کی پابندی شامل ہے:۔

"الصدر الحمید مولینا محمد اسحاق دہلوی نے بالاکوٹ کے واقعہ کے بعد گیارہ سال
غور و فکر سے امام ولی اللہ کی اجتماعی تحریک کا نیا پروگرام مکمل کرلیا، ان کے پروگرام
کے دو اصول زیادہ اہمیت رکھتے ہیں،

(الف) حنفی مذہب کی پابندی،

(ب) اور ترکی سلطنت سے اتصال (ص ۱۰۸)

۱؎ واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ کا مخاطب اعلیٰ طبقہ ہے، وہ تمام دنیا میں ایک ہی رنگ رکھتا ہے، اس لئے
ان کی باتیں دوسرے ممالک میں اسی طرح مانی جاسکتی ہیں، جیسے ہندوستان میں، مگر شاہ عبد العزیز
اعلیٰ طبقہ کو چھوڑ کر متوسطاً اور عوام کو مخاطب بنا کر وہی عالی علوم ان تک پہنچانا چاہتے ہیں تاکہ یہ علوم
راسخ ہوسکیں، ظاہر ہے کہ متوسط طبقہ ہر ملک کا جدا جدا ہوتا ہے، تو اب جو خصوصیات امام عبد العزیز کے
طریقے میں موجود ہیں، وہ صرف مخاطبین کی ضرورت کی وجہ سے ہیں، عملی طور پر ان کو اس بلند فکری سے نیچے
اترنے کی خود اپنی طبیعت کی رو سے، نیز اپنے خصوصی ماحول (مثلاً خاندان تلامذہ اولاد) کے رو سے کوئی ضرورت نہیں

"اسی فرق کا نتیجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ فقہ حنفی اور شافعی کو مساوی درجہ دیتے ہیں، اور شاہ
عبد العزیز فقہاً فقہ حنفی سے مقید ہیں، (ص ۷، حاشیہ)

کون نہیں جانتا کہ مولانا شہیدؒ کی روش یہ نہیں تھی[1]، مولانا خود فرما چکے ہیں[2] کہ مولانا شہید نے حجۃ اللہ البالغہ پر عمل کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی تھی، جو آمین بالجہر اور رفع یدین و سنن پر عمل کرتی تھی، (اسی قسم کی ایک روایت آگے بھی آتی ہے،

تو کہنا یہ ہے کہ مولانا ولایت علی صادق پوری شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مسلک سے ہٹے نہیں تھے، البتہ ولی اللٰہیون میں مولانا شہیدؒ سے زیادہ متاثر ہین، اور ان کے شاگرد بھی ہین، اور ان کی "خاص جماعت" کے وہ رکن بھی تھے، خود مولانا سندھی کے ارشادات ملاحظہ ہون :-

"......رائے بریلی مین مولانا شہیدؒ سے حدیث پڑھتے، اور آپ کی جماعت کے نائب تھے"۔

(ص ۱۴۲ بحوالہ سیرت سید احمد شہیدؒ)

ومولانا ولایت علی کان من عظماً	(مولانا ولایت علی صدر شہید کے اخص ترین
خواص اصحاب الصد دالشھید	اصحاب مین سے تھے، اور امیر شہید انھین جہاد
دکان الامیر الشھید یرسلہ داعیا	کا داعی بنا کر ہندوستان بھیجتے تھے)
الی الجھاد فی الھند،	

---

[1] فرماتے ہین :-

ولیت شعری کیف یجوز التزام	اور معلوم نہین ایک شخص معین کی تقلید کا التزام
تقلید شخص معین مع تمکن الرجوع	کس طرح جائز ہو سکتا ہے جب کہ ایسی مرفوع
الی الروایات المنقولۃ عن النبی صلی	(رسول اللہ سے منقول) روایتون کی طرف رجوع
اللہ علیہ وسلم الصریحۃ الدالۃ لخلاف	ممکن ہو دیا ہو، جو اس امام خاص کے قول کے خلاف
قول الامام المقلد الخ (تنویر العینین)	صاف صاف دلالت کرتی ہین الخ

[2] ابھی یہ پورا ٹکڑا اوپر شیخ عبدالحق کے سلسلے مین نقل ہو چکا ہے،

"مولانا شہید نے حجۃ اللہ پڑھنے کے بعد فقط حجۃ اللہ پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنائی، جو رفع یدین اور آمین بالجہر کیا کرتی تھی، مگر امیر شہید کے سمجھانے سے مصلحت عامہ کے لئے وہ جماعت ختم کر دی گئی، مولٰنا ولایت علی اس جماعت کے ممبر تھے، اب وہ علٰحدہ[1] ہو کر در اصل اس جماعت کا احیا، مقصد بتاتے ہین، (ص ۱۹۲ حاشیہ)

"پٹنہ کے مولانا ولایت علی مرحوم جو بالاکوٹ مین حاضر نہین تھے، وہ مولانا اسمٰعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے، جو مولانا شہید نے دہلی مین امام ولی اللہ کی اتباع کیلئے بنائی تھی (ص ۴-۱۹۳)

"مولانا ولایت علی نے مولانا محمد اسحاق صدر حمید کا اصلاحی فکر قبول نہین کیا، (ص ۱۹۴)

اصلاحی فکر یعنی حنفی مذہب کی پابندی اور ترکون سے اتصال، وہ حنفی مذہب کی پابندی کو حجۃ اللہ کے خلاف اور ترکون سے اتصال کو ہیئیون اور نجدیون کے خلاف جانتے تھے"

(ص ۱۹۴ - حاشیہ)

یہ خود مولانا سندھی کے بیانات ہین، ہمین صرف یہ کہنا تھا، کہ مولانا ولایت علی پر انشقاق جماعت کا الزام غلط ہے، وہ ہمیشہ جادۂ ولی اللٰہی پر گامزن رہے، اور اپنے لازوال کارنامون سے وہ اپنے شیخ حضرت سید شہیدؒ اور استاذ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے سچے اور صحیح جانشین ثابت ہوئے (نیا پارہ) یہان تک تو صرف "انشقاقِ جماعت" پر گفتگو تھی، اب اس سلسلے کے دوسرے الزامات و مواخذات پر نظر ڈالنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ولایت علی صادق پوری کی خدمات ان کے مشن اور کام کی نوعیت پر مختصر سے مختصر طور پر کچھ صحیح معلومات بھی پیش کر دیجائین۔

---

[1] کس سے علٰحدہ ہو کر؟ مولانا شہیدؒ تو اپنے شیخ کے ساتھ بالاکوٹ مین جام شہادت نوش فرما چکے اب وہ کون گیا، جس کے ساتھ تھے، اور اب علٰحدہ ہو رہے ہین،

تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے اس اعتراض وجواب کا پس منظر سامنے آجائے :-

"مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے، مولوی فتح علی صاحب کے بیٹے
اور رفیع الدین حسین خان صاحب کے نواسے تھے، جو صوبہ بہار کے ناظم و رئیس اور عمائدین سے
تھے، آپ نانا کے بڑے لاڈلے تھے، ...... سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تقریر
سُنی تو کیفیت بدل گئی، اب وہ عظیم آباد کے بانکے نوجوان نہ تھے، بلکہ سید صاحبؒ کی جماعت
کے ایک جفاکش مزدور، اور معمولی خادم تھے،

رائے بریلی میں مولانا اسماعیل صاحب شہید سے حدیث پڑھتے، اور آپ کی جماعت میں آپ
کے نائب تھے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور سر پر لاد کر لاتے، اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے
مٹی گارے کا کام کرتے،

سید صاحبؒ کی جماعت میں آپ سے زیادہ مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ سے کوئی مشابہ نہ تھا،
آپ سید صاحب کے رنگ میں ایسے رنگے، اور آپ کی محبت میں ایسے ڈوبے کہ اپنے سارے خاندان کو
اپنے رنگ میں رنگ دیا، اور سید صاحبؒ کا مخلص اور جانباز سچا نام لیوا بنا دیا، سید صاحبؒ کے بعد
آپ ہی نے سب سے زیادہ آپ کی نیابت و جانشینی کا حق ادا کیا، اور آپ کے خاندان نے سید صاحبؒ کی
محبت کی سب سے گراں قیمت اور سب سے بھاری تاوان ادا کیا، آپ کی ترغیب سے خاندان کے سب
مرد و زن خورد و کلاں، سید صاحبؒ سے بیعت ہو گئے تھے، سید صاحب حج کو تشریف لے گئے
تو آپ وطن میں نیابت انبیاء کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر سید صاحب کے ہمرکاب جہاد کے لئے
تشریف لے گئے، سید صاحب نے آپ کو کابل سفارت پر بھیجا، ...... سوات سے سید صاحب
نے آپ کو اور مولانا سید محمد علی[1] صاحبؒ کو تبلیغ و اشاعتِ دین کے لئے ہندوستان روانہ فرمایا، مولانا

۱؎ مولانا محمد علی رامپوری (م ۱۲۵۰ھ) سید صاحب کے چند ممتاز خلفاء میں تھے، حالات کیلئے دیکھو سیرت سید احمد شہید

ولایت علی پر آپ کی جدائی اور میدانِ جہاد سے علٰحدگی بہت شاق تھی، سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ
مولانا ہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں یعنی اس ایک تخم سے ہزاروں درخت پیدا ہوں گے، آپ وہاں سے
بمبئی و حیدرآباد (دکن) آئے، .... آپ کو اسی اثنا میں بالاکوٹ کے حادثے کی اطلاع ہوئی،
سید صاحبؒ کی خبرِ شہادت سے سارا بار آپ پر پڑ گیا، ...... تمام ہندوستان میں سید صاحب کے حلقوں
میں آپ کی شہادت سے ایک انتشار و پژمردگی چھائی ہوئی تھی، ...... آپ نے بمطابق آیت وَمَا مُحَمَّدٌ
اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ[1] سید صاحب کے
کام کو سنبھالا، وطن پہنچ کر تبلیغ دین و تنظیم جماعت کا کام شروع کیا، لوگوں نے آپ کے ہاتھ تجدید بیعت
کی، ...... آپ ہی کی کوششوں سے حضرت شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ قرآن اور شاہ اسماعیل
صاحب کے رسائل (جو آپ نے شاہ اسحاق صاحب سے دہلی سے منگائے تھے) شائع ہوئے... آپ نے اپنے شیخ اور
ان کے مخصوص خلفا کی طرح بیسیوں مردہ سنتیں زندہ کیں، اپنے ہاتھ سے خاندان میں متعدد بیواؤں
کا نکاح کیا، ...... دو برس کے بعد آپ راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے،
حج و زیارت سے فراغت کے بعد آپ یمن تشریف لے گئے، اور نجد و عسیر، مسقط، حضر موت کی سیر کی،
اور قاضی محمد بن علی شوکانی سے حدیث کی سند لی، حج سے واپسی کے بعد مجاہدین کی طلب پر آپ نے اپنے بھائی
مولوی عنایت علی صاحب کو گلاب سنگھ کے مقابلہ کیلئے سرحد بھیجا کچھ عرصہ کے بعد خود تشریف لے گئے.... گلاب سنگھ نے انگریزوں
سے معاہدہ کر لیا اور ان کی حمایت حاصل کی، انگریزوں نے مفتوح ملک میں غدر کرا دیا اور آپ کے عمال قتل کر دیئے گئے،
اس کے بعد آپ وطن لوٹنے پر مجبور کئے گئے، لیکن انھیں واپسی کا بڑا رنج و ملال تھا، آخر

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۲) (ص ۳۶۲-۳۵۸) اور سوانح احمدی (ص ۱۵۵-۱۵۰) کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے

۱؎ آل عمران: ۳، ۱۲۸ (اور محمد نرے رسول ہی تو ہیں، آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گذر چکے ہیں، سو اگر
آپ کا انتقال ہو جائے، یا آپ شہید ہی ہو جائیں، تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے)

دو برس کے قیام کے بعد پھر تھانہ پہنچ گئے، اور وہین محرم ۱۲۶۹ھ مین علم و عمل کا آفتاب غروب ہو گیا

مولنا علیہ الرحمۃ کا پورا خاندان صادق پور سید صاحبؒ کے سچے معتقدون اور اسلام کے پکے

مجاہدون کا خاندان تھا جس کا بچہ بچہ سید صاحبؒ کی محبت مین چور اور اسلام کے لئے سرکف

تھا ان لوگون نے فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی سید صاحبؒ کی وفاداری اور اسلام کی جان نثاری کا

کا ایسا حق ادا کیا جس کی نظیر کسی دوسرے خاندان مین نہین ملتی، مولانا عنایت علی غازیؒ[1]

مولانا فرحت حسین صاحب[2]، مولانا احمد اللہ صاحب[3]، مولانا یحییٰ علی صاحب[4] مین سے ہر ایک

اپنے وقت مین امام احمد بن حنبل کا نمونہ تھا،......

یہ لوگ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ[5] کے پورے مصداق

تھے، مقدمہ سازش[6] مین حکومت نے ان کے مکانات مسکونہ تک مسمار کر دیئے اور صادق پور

کا وہ محلہ جہان محل کھڑے تھے، کف دست میدان بنا کر اور مکانون پر ہل چلوا کر میونسپلٹی

کی عمارت بنوا دی، جو آج تک قائم ہے، (البتہ زلزلے کے بعد دوبارہ تعمیر ہوئی ہے لیکن

---

[1] مولانا عنایت علی صاحب غازیؒ (مولود ۱۲۰۷ھ یا ۱۲۰۸ھ) کی وفات سرحد پار (منگل تھانہ) ایسے روح فرسا حالات مین ہوئی، (۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء) کہ دشمن بھی سن کر آب دیدہ ہو جائے، کوئی مصیبت نہ تھی جو اس مرد غازی نے خوشی خوشی برداشت نہ کی ہو، (تذکرۂ صادقہ ص ۱۴۰-۱۳۰) مولانا نے ان کے ابتلا و محن کو بھی غلط معنی پہنائے ہین، تاشگوفی وحزنی الی اللہ، ممکن ہے آگے کسی سلسلے مین ذکر آ جائے، [2] مولود ۱۲۲۶ھ متوفی ۱۲۲۲ھ تفصیل کے لئے تذکرۂ صادقہ (ص ۱۳۵ ص ۱۴۱) [3] اسیر انڈمان و متہم مقدمہ سازش، پٹنہ ۱۸۶۵ء انڈمان ہی مین وفات پائی: ۱۲۹۸ھ (تذکرۂ صادقہ ص ۵۹-۴۴) [4] اسیر انڈمان و متہم مقدمہ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء اسی زندان مین واصل بحق ہوئے: ۱۲۸۴ھ تذکرہ صادقہ ص ۸۷-۶۳) [5] آل عمران: ۱۹۵ (سو جن لوگون نے ترک وطن کیا، اور اپنے گھرون سے نکالے گئے اور تکلیفین دے گئے میری راہ مین) [6] مقدمہ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء

Established 1865 کی تاریخ درج ہے: اور قدیم تعمیر کی ایک ایک یادگار اور ایک

ایک نشان مٹا دیا، قبرین بھی مشتبہ کر کے کھود کر پھینک دی گئین، حتیٰ کہ کھجور کا ایک درخت

رہ گیا تھا جو اس چمن خزان دیدہ کی یادگار تھا، اس کو بھی اکھڑوا دیا،..........

(سیرت سید احمد شہید ص ۲، ۳۶۲-۳۶۳ ملخصاً[1])

مولانا ولایت علی صادق پوری پر انشقاق جماعت کے بعد دوسرا الزام اعتقاد غیبوبت کا ہے

اور اسے مولانا سندھی نے بڑے شد و مد کے ساتھ اچھالا ہے، بلکہ یہان تک کہہ گئے ہین کہ ان کا

مرکزی فکر ہی یہی عقیدۂ غیبوبت تھا، اور اسی لئے وہ مولنا محمد اسحاقؒ سے علٰحدہ ہوئے، مولانا نے

اس الزام کو بار بار دہرایا ہے، ہم صرف دو ایک اقتباس دین گے،:-

(۱) واقعۂ بالاکوٹ مین بقیۃ السیف مجاہدین کو امیر شہید کا جنازہ نہین ملا، اس کا اصلی سبب

یہ تھا کہ سکھون نے امیر شہید کا سر کاٹنے کے بعد مقامی مسلمانون کی معرفت فوجی اعزاز

کے ساتھ اسے دفن کرا دیا تھا،....... اس اضطراب مین یہ خیال پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو، امیر

کہین غائب ہو گئے ہین (ص ۱۹۲)

(۲) بعض اتفاقی واقعات اس کے موید بن گئے، امیر شہید بالاکوٹ کے واقعہ سے چند روز

پیشتر اپنے اصحاب کو وصیت کرتے رہے ہین، کہ اگر بالفرض کسی ضرورت کے لیے ہم چند روز

غائب ہو جائین، تو آپ لوگ مایوس نہ ہون گے،....... (ص ۱۹۳)

(۳) مولانا ولایت علیؒ نے مولانا محمد اسحاقؒ صدر حمید کا اصلاحی فکر قبول نہین کیا، اور اس

روایت غیبوبت کی آڑ مین اپنی مستقل جماعت بنانے کا فیصلہ کر لیا،......... جس وقت

---

[1] مزید تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:- تذکرۂ صادقہ (ص ۱۳۰-۱۱۰) اور سوانح احمدی (ص ۱۶۰-۱۵۵)

الصدر الحمید دہلی سے حجاز پہنچ گئے، اس کے بعد مولانا ولایت علی نے پٹنہ میں اپنی مستقل

پارٹی کا اعلان کر دیا، (ص ۱۹۴)

(۴) اس پارٹی کا مرکزی فکر یہی بتایا جاتا ہے کہ امیر شہید غیر معین عرصہ کے لئے غائب

ہو گئے ہیں، ان کے انتظار میں جہاد کی تیاری کرتے رہنا چاہئے، وہ ضرور آئیں گے، اور

انہی کی جماعت میں کام کرنے سے ہمیں نجات مل سکتی ہے،

(۵) بظاہر یہ فکر نہایت غیر معقول ہے، مگر بڑے بڑے عالموں اور صوفیوں کا جو حزب

ولی اللہ سے اختصاص رکھتے ہیں، اس تحریک کی شمولیت میں ان کا نام بھی لیا جاتا ہے،

اس لئے اس کی تاویل یہی ہو سکتی ہے، کہ عوام (نہ خواص) کو تحریک کے ساتھ وابستہ رکھنے

کے لئے یہ ایک سیاسی چال تھی، (ص ۱۹۵)

پہلے دو ٹکڑے تمہیدی ہیں، ان سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں، تیسرے اقتباس میں کچھ

اضافوں کے ساتھ "انشقاقِ جماعت" والے الزام کو دہرایا گیا ہے، اس میں ایک فقرہ (روایت

غیبوبت کی آڑ میں) مولانا ولایت علیؒ کی دیانت داری اور خلوص نیت پر ایسا بدنما حملہ ہے جس

ہم مولانا عبید اللہ کو اونچا دیکھنا چاہتے تھے، البتہ انشقاق جماعت کے متعلق ایک نئی بات کہی

گئی ہے، کہ مولانا محمد اسحاقؒ کے حجاز پہنچنے (۱۲۵۸ھ) کے بعد مولانا ولایت علی نے اپنی مستقل پارٹی

کا اعلان کر دیا، اس کے متعلق دو حرف جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا، اول

یہ جو کہ سید صاحبؒ کے ماننے والوں کی طرف سے "پارٹی" یا "مستقل پارٹی" کا اعلان کبھی نہیں ہوا ہم پورے

یقین کے ساتھ کہتے ہیں، کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا، رہی مولانا ولایت علی کی جماعتی

اور تنظیمی سرگرمیاں، تو وہ دکن سے واپسی کے بعد ہی شروع ہو گئی تھیں، (۱۲۴۸ھ) اسی سال

سید صاحبؒ کے ماننے والوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تجدید کی، (جیسا کہ اوپر گذر چکا) اس تجدید

بیعت کے بعد مولانا اسحاق دس سال ہندوستان میں رہے، اور مولانا ولایت علی کی سرگرمیاں

جاری تھیں، صرف پورب میں نہیں بلکہ سرحد پار بھی، تجدید بیعت کے چند ہی سال بعد سید ضامن

شاہ نے (جو گلاب سنگھ والیِ کشمیر سے برسرِ پیکار تھا) آپ سے مدد طلب کی، آپ نے اپنے منجھلے بھائی

مولانا عنایت علی غازیؒ کو بالاکوٹ بھیج دیا، اور وہ وہاں پہلے فتحیاب ہوئے، (۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء)

پھر خوانین کی غداری سے بے یار و مددگار ہو کر وطن واپس چلے آئے، (تذکرہ صادقہ ص ۱۳۶)

(کیا مولینا محمد اسحاق کو ان سرگرمیوں کی خبر نہیں تھی؟ پھر مولانا کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ

مولینا اسحاقؒ کے حجاز پہنچنے کے بعد مولانا ولایت علیؒ نے اپنی پارٹی کا اعلان کر دیا؟ مولانا محمد اسحاق

کی دہ سالہ (۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء – ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) خاموشی اور رضامندی سے شاید ہمارے مولانا اپنی کمزوری محسوس

کرتے ہیں، اسی لئے انہوں نے "بعد از ہجرت" کا شاخسانہ لگایا، اور شاید اسی لئے ایک دوسری جگہ

وہ یہ بھی کہتے ہیں، کہ مولانا محمد اسحاقؒ کے احترام (اور خوف) سے وہ لوگ دہلی اور اس کے اطراف

میں صاف صاف اپنی تبلیغ نہیں کرتے تھے[1]،

یہ دہلی اور اس کے اطراف کا کیا ذکر ہے، ؟ بنگال سے لیکر کشمیر، سندھ اور سرحد پار تک

ان کے مبلغین سرگرم عمل تھے، "وَمَا يُوحُ حلیمۃ لیس" (اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں)

اب مسئلہ غیبوبت کو لیجئے جسے مولانا نے بار بار بڑے شد و مد کے ساتھ اچھالا ہے، حالانکہ

یہ ایک وقتی چیز تھی، جس سے بعض طبیعتیں متاثر ہو گئی تھیں، اسے "مرکزی فکر" کہنا یا دعوت کی شان

بتانا مبالغہ آرائی سے کام لینا ہے،

بات اتنی ہے، کہ سید صاحبؒ کی شہادت سے مجاہدین کے جی چھوٹ رہے تھے، کسی نے یہ

---

[1] کتاب التمہید میں ارشاد ہوا ہے:-

"... لکن بسبب احترام الصدر محمد اسحاق ما کانوا یجاہرون بالدعوۃ فی دھلی واطرافہ (؟)

(صفحہ ۱۹۱ بحوالہ کتاب التمہید)

شگوفہ چھوڑ دیا، کہ "سید نا شہید نہیں ہوئے، غائب ہو گئے ہیں، تھکے ہارے اس پر یقین کر بیٹھے، اور کچھ دنوں تک اس کا غلغلہ رہا، بعد کو رفتہ رفتہ طبیعتیں سکون پر آئیں تو غلطی کا احساس ہوا، پھر اس میں صادق پور اور غیر صادق پور کی تفریق نہیں، سید صاحب کی غیبوبت کے عقیدے کا ظہور ان کے محبین خاص کے تمام حلقوں میں ہوا، اہلِ صادق پور اس سے الگ نہیں تھے، اور یہ امر شدتِ محبت میں بہ کثرت ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حال و قال سے ظاہر ہے جو وفاتِ نبوی کے وقت پیش آیا، خود دہلی اور سہارنپور کے نواح میں بھی اس کا غلغلہ رہا، اور مولانا کے حزب دہلوی (دیوبندی) کے مرکز میں بھی اس کا چرچا تھا، اور اساطین ائمۂ حزب دہلوی اس کے راوی ہیں، مولانا حکیم سید عبد الحیٔ (ف ۱۳۴۱ھ) رقم طراز ہیں :-

"اس کے بعد کچھ حضرت سید صاحبؒ کے غیبوبت و ظہور کا ذکر ہوا، ان سب لوگوں نے اس بے بضاعت سے پوچھا، میں نے کہا اس میں تو شک نہیں کہ سید صاحبؒ نے اس قسم کی پیشین گوئیاں فرمائی تھیں، لیکن وقوع میں اب تک اشتباہ ہے، مولوی محمود حسن صاحبؒ نے فرمایا، یہی ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا مسلک ہے، پھر اونھوں نے نہایت معتبر ذریعہ سے یہ قصہ سنایا، اور سب حاضرین نے اس پر اتفاق کیا :

حدثنا الشیخ الصالح محمود حسن الحافظ احمد بن مولانا محمد قاسم والمولوی حبیب الرحمٰن وکلھم ثقۃ قالوا حدثنا شیخنا الثقۃ الصدوق الحجۃ مولانا رشید احمد الگنگوھی حدثنا الشیخ الزاھد المتقی الاورع الحجۃ مولانا

یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی زبانی سنا، وہ فرماتے تھے، کہ ہم نے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے سُنا، وہ فرماتے تھے، کہ ہم نے سید صاحب کی زبان سے دس پیشینگوئیاں سنیں، نو اُن میں سے واقع ہو چکی ہیں،

مظفر حسینؒ الکاندھلوی قال سمعت من شیخنا و مولانا السید احمد عشرۃ امور وقعت منھا تسعۃ وبقیت واحدۃ وھو غیبوبتہ وظھورہ رحمۃ اللہ علیہ واللہ اعلم

اور ایک باقی ہے، وہ پیشین گوئی آپ کی غیبوبت اور ظہور کے بارے میں ہے...

.... الخ الخ

(ارمغان احباب : معارف جلد ۳۴ ط ۲۷)

جب مولانا مظفر حسین کاندھلوی (جو مولانا محمد اسحاق کے شاگرد، اور مولانا سندھی کے حزب دہلوی کے ائمہ اولین اور دہلی بورڈ کے ارکان اربعہ میں سے ہیں، ص ۱۸۲، ۱۸۳ حاشیہ، ف ۱۲۸۳ھ) جیسے بزرگ روایتِ غیبوبت کے راوی ہوں، اور اس کا چرچا اہلِ علم کے دہلوی مرکز میں ہو، تو پھر مولانا ولایت علیؒ اور اہلِ صادق پور پر یہ عتاب خاص کیوں ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں، کہ ان سے لغزش ہوئی، اور یہ فرطِ محبت کی لغزش تھی، اس خیال کو مرکزی فکر یا عقیدے کی حیثیت کبھی نہیں حاصل ہوئی، اور نہ وہ (معاذ اللہ) اس کے آڑ میں کوئی پارٹی قائم کرنا چاہتے تھے، یہ اللہ کے برگزیدہ بندے اس سے بہت بلند اور ان کی سیرت ان چھچھوری باتوں سے پاک اور بے داغ تھی، افسوس یہ ہے کہ ہمارے مولانا اپنی وسعتِ نظر اور جہان بینی کے باوجود، اہلِ صادق پور کے حالات و افکار سے بہت سرسری واقفیت رکھتے ہیں، جس کا انھیں خود بھی اعتراف ہے :-

"جس تفصیل کے ساتھ ہم دہلوی (دیوبندی) پارٹی کے حالات جانتے ہیں، اس قدر (صادق پور) پٹنہ کی تحریک سے آشنا نہیں، تتمیم بحث کے لئے ہم دوسری پارٹی کے مجمل حالات بیان کرتے ہیں" (ص ۱۹۰)

اے کاش! کہ یہ مجمل حالات صحیح ہوتے،

ہمارے مولانا کے ہاں تعارض بھی عجیب و غریب ہی، عقیدۂ غیبوبت کے متعلق ایک جگہ (ص ۱۹۵؛ اقتباس اوپر گذر چکا ہے) لکھا ہے کہ اس پارٹی کا مرکزی فکر یہی بتایا جاتا ہے، دوسری

جگہ جزم کا صیغہ استعمال ہوا ہے"

وکان الاصل السیاسی للصادق	(عقیدۂ غیبوبت کو صادق پوریون کے سیاسی
پورین اعتقاد غیبوبة الامیر الشهید" ص ۱۹۱	اصل (مرکزی فکر) کی حیثیت حاصل تھی،

اور تیسری جگہ کلمۂ حق "زبان سے نکل جاتا ہے:-

"...... مولانا ولایت علی نے ہندوستان کے مشرقی حصہ پر اپنا اثر قائم کر لیا، اور افغانی پہاڑون مین اپنا مستقل مرکز بنایا، ان کی اولاد اب تک اس علاقے مین اپنی امارت اور اپنا مرکز رکھتی ہے، مخالفون کو بھی ماننا پڑتا ہے، کہ وہ ایک چھوٹے پیمانے پر امیر شہید کی حکومت موقتہ کی یادگار ہے، ہمارا اپنا خیال مولانا ولایت علیؒ کی تحریک کے متعلق یہ ہے کہ وہ مولانا شہید کی اس خاص جماعت کو زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہین، اور اسی لئے مولٰنا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن خان جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے ہین" (ص ۱۹۶)

خط کشیدہ فقرون مین مولانا نے جو کچھ کہا ہے، اس سے زیادہ ہم بھی نہین کہتے، البتہ اتنی ترمیم[1] کے ساتھ کہ وہ سید شہیدؒ اور مولٰنا شہیدؒ دونون کی مشترک خاص جماعت کو زندہ کرنا چاہتے تھے، اور اس مین وہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے بڑی حد تک کامیاب ہوئے گو جان و مال کی بازی لگا کر نتیجہ کیا ہوا، اسے نہ پوچھئے:-

سودا قمار عشق مین خسرو سے کوہکن	بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز	اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

غیبوبت سے متعلق دو حرف اور مولانا کو صادق پور کے لٹریچر پر اطلاع نہین، ورنہ انہی

[1] اس ترمیم کی ضرورت اسلئے پڑی کہ ہمارے مولانا مولانا ولایت علیؒ کو محض آمین و رفع یدین والی اہلِ حدیث جماعت کا رہبر سمجھتے ہین، جیسا کہ ان کے بعد کے جملے (اور اسی لئے الخ) سے مترشح ہوتا ہے، حالانکہ یہ واقعہ کے سراسر

کی تحریرون سے اس کی جھلک[1] مل جاتی اور نواب صدیق حسن خان صاحب (ف ۱۳۰۷ھ) اور مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (ف ۱۳۲۹ھ) کی شہادتون کی ضرورت نہ پڑتی، مگر جب پیش کیجا چکی ہین، تو ان کی چھان پھٹک ضروری ہے، نواب صاحبؒ فرماتے ہین:-

"جمعے از عظیم آباد و بنگالہ در بارۂ سید احمد بریلوی مرحوم نیز این گمان کردہ اند تا آنکہ بعض از مریدان ایشان چہل حدیث درین باب جمع نمودہ و ایشان را مہدی وسط قرار دادہ قائل بغیبوبت ایشان در جبال مغربیہ ہند شدہ منتظر عود بودہ اند و این زلت عظیم است و کیف کہ سید مرحوم این دعوی نہ کردہ و ایما بہ عود نہ نمودہ و اگر می کرد، ہیچ کس تصدیق نمی نمود" (ص ۱۹۳ حاشیہ)

نواب صاحب (جنھین مولانا سندھیؒ، مولانا ولایت علی کا ہم مسلک بھی بتاتے ہین)[2] کے اس بیان مین ایک بات تو بالکل بے بنیاد ہے، الاربعین فی المہدیین جس کا او کنلے وغیرہ نے بھی ڈھنڈورا پیٹا ہے، اس وقت ہمارے سامنے[3] ہے، ہم نے اسے بار بار شروع سے آخر تک دیکھا، کہ شاید کہین سید صاحبؒ کا نام آگیا ہو، یا ان کی مہدویت کی تبلیغ کی گئی ہو لیکن اس مین ایک حرف

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۰) خلاف ہے، مولانا ولایت علیؒ سید صاحبؒ کی جماعت مجاہدین کے رہنما تھے، اور ان کے خاندان کا مرکزی فکر صرف جہاد رہا، اہلِ حدیثیت تو ان کے ہان بہت بعد مین آئی ہے، ان مین سے اکثر اپنے کو حنفی مع القول بالترجیح کہتے تھے، مولانا عبد الرحیم تک یہی مسلک تھا، (دیکھو: تذکرہ صادقہ (ص ۱۱۹، ۱۱۷)

[1] عقیدۂ غیبوبت کو اہل صادق پور کے ہان کوئی ایسی اہمیت نہین تھی، کہ اسکی تبلیغ کیجاتی، ایک خیال تھا جس سے کچھ دنون تک بعض حضرات متاثر رہے، ان کے بعض رسالون مین اس "تاثر" کا دھندلا سا نشان ملتا ہے [2] ص ۱۹۳

[3] ہمین بڑی تلاش سے مولانا ولایت علیؒ کے نو رسالون کا ایک مجموعہ (مجموعہ رسائل تسعہ) دیکھنے کے لئے ملا، اسی مین تیسرا رسالہ اربعین فی المہدیین ہے، ایک کالم مین اصل رسالہ ہے، اور برابر کے کالم مین مولانا الٰہی بخش صاحب

بھی ایسا نہ ملا جس سے نواب صاحب اور دوسرون کے عائد کردہ الزام کی تائید ہوتی ہو "چہل حدیث" کا ایک مجموعہ ہے، جس مین صرف خروجِ مہدی سے متعلق حدیثین جمع کر دی گئی ہین، اس کے مرتب خود مولانا ولایت علیؒ صاحب ہین، اور انھون نے حدیثون کے جمع کرنے کے سوا اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہین لکھا، شروع شروع بڑی حیرت ہوتی ہے، کہ نواب صاحب جیسے عالم کو ایسی جرأت کیونکر ہوئی، ؟ لیکن جو لوگ ان کی زندگی کی الجھنون سے واقف ہین، وہ انھین معذور رکھین گے، دیکھئے تو کس انداز سے "جمے از عظیم آباد و بنگالہ" کہتے ہین، گویا مولانا اولاد حسین قنوجی (ن ۱۲۵۳ھ) خلیفہ حضرت سید شہیدؒ کے فرزند دلبند کو اس کی بھی خبر نہین تھی، کہ روایت شہادت مین اختلاف کیونکر پیدا ہو ؟ اور اس مین خود سید صاحبؒ کے گھر والون اور اہلِ قافلہ کا حصہ ہے یا نہین ؟ اور پھر چہل حدیث کے انتساب مین بعض از مریدان ایشان کہکر چپ ہو جاتے ہین، حالانکہ مولانا ولایت علی مرحوم کی گود مین وہ کھیل چکے ہین، اور انہی کی ترغیب سے نواب صاحب نے بلوغ المرام کی طرف توجہ کی اور شرحین لکھین، (تذکرۂ صادقہ: ص ۱۲۱ و سیرت والاجاہی جلد ۲ ص، بحوالہ ابقاء المنن و روض الخصیب ص۱۶۲)

اصل یہ ہے کہ وہ حکومت کے سامنے اپنے کو عظیم آباد اور صادق پور سے بالکل بے تعلق دکھانا

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۱) بڑاکری بہاری ن ۱۳۳۴ھ ہجری کے قلم سے اردو ترجمہ ہے، مطبع فاروقی، دہلی مین چھپا تھا، (تاریخ طباعت درج نہین)

ے مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری لکھتے ہین :-

"سید صاحبؒ کی چھوٹی بیوی صاحبہ جن سے قبل از معرکہ بالاکوٹ سید صاحبؒ نے اپنی غیبوبت کی پیشین گوئی کی تھی، اور سید صاحب کے اکثر اقربا اور اہلِ قافلہ آپ کی غیبوبت کے قائل تھے، مگر پنجاب اور ہندوستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہین"

(سوانح احمدی: ص ۱۳۷، نیز ملاحظہ ہو: سیرت سید احمد شہید ص۲۳۳-۲۳۰)

چاہتے تھے، اور یہی ہو کر رہا، اب رہ گئی، مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی کی تحریر، جس کے ابتدائی جملے یہ ہین :-

زعم اکثر العوام و بعض الخواص فی حق	(اکثر عوام اور بعض خواص امام امجد غازی
الغازی الشہید الامام الامجد السید	شہید حضرت سید احمد بریلوی رضی اللہ عنہ
احمد البریلوی رضی اللہ عنہ انہ المہدی	کے متعلق یہ خیال رکھتے ہین، کہ وہ مہدی
المحمود (؟ الموعود) واللہ لم یستشہد	موعود ہین، اور وہ میدانِ جنگ مین شہید نہین
فی معرکۃ الغزو بل انہ اختفی عن اعین	ہوئے، بلکہ لوگون کی نگاہون سے چھپ گئے
الناس و ھو حیٌ موجود فی العالم......	ہین، اور وہ اب تک زندہ ہین)......
...........(ص ۹-۱۰)	....

"بعض الخواص" پر مولانا سندھی نے یہ حاشیہ دیا ہے :-

قلت مرادہ من بعض الخواص الشیخ	("بعض خواص" سے مشہور عالم امیر ولایت علی
الجلیل الامیر ولایت علی الذی دعا	ممدوح مراد ہین جنھون نے اس عقیدے
الی ھذہ العقیدۃ دعوۃ حثیثۃ (حاشیہ ص۱۹۵)	کی سرگرمی کے ساتھ تبلیغ کی)

یہ مولانا کی زبردستی ہے، مولانا ولایت علی نے کبھی اس عقیدہ کی تبلیغ نہین کی، سرگرمی کا تو

ے نواب صاحب کا حال کچھ فرقہ ملامتیہ کا سا ہے، اہلِ نجد کی بھی کوئی برائی نہین کی، جو انھون نے اپنی کتابون مین نہ کی ہو، (اتحاف النبلاء ص۴۱۳-۴۱۶، التاج المکلل، مواہد العوائد وغیرہ) اور یہ صرف وہابیت سے برأت کیلئے، ورنہ وہ دل سے نجد کی دعوتِ توحید کے معترف اور ثناخوان ہین، (اتحاف، ص ۴۸) کچھ یہی حال ان کا اہلِ صادق پور کیساتھ ہے ایک مرتبہ کلکتہ سے واپسی مین ملنے کی خواہش ہوئی تو دانا پور مین غلس کے وقت علماء صادق پور کو آنے کی تاکید کی، کہ کرائے کا تہین کو خبر نہ ہو، ملاقات ہوئی باتین ہوئین مگر اس حال مین کہ ہر آن رقیبون کا کھٹکا لگا ہوا تھا، (بہ روایت مولانا عبد الغفار صادق پوری)

کوئی ذکر ہی نہیں، ان کی دعوت صرف جہاد اور احیاے سنت کی تھی، مزید بران قرینے ایسے ہیں کہ مولانا شمس الحق (ف ۱۳۲۹ھ) کا اشارہ مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) کی طرف ہو ہی نہیں سکتا، ہمارے شمس المحدثین کی پیدایش ۱۲۴۱ھ میں ہوئی، ان کا خاندان صادق پور سے کبھی کسی طرح وابستہ نہیں رہا، خود ان کی تعلیم و تربیت صادق پوری اثرات سے بہت الگ ہوئی، وہ مولنا بشیر الدین قنوجی (ف ۔۔ھ)[1] اور میاں صاحب سید نذیر حسین محدث (ف ۱۳۲۰ھ) کے شاگرد اور ہم مشرب تھے، غیبوبت کا عقیدہ یا خیال اگر کہیں تھا بھی، تو اندر اندر، اور شمس المحدثین کے شباب تک تو وہ اندھی عقیدت ختم ہو چکی تھی، اور رہ گئی تھی تو بالکل برائے نام اور ایک محدود دائرے کے اندر، ان حالات میں ان کے لئے مولانا ولایت علیؒ (جو ان کی ولادت سے چار برس پہلے جان، جان آفرین کو سپرد کر چکے تھے) کے خیالات کا پتہ لگانا بہت دشوار تھا، اس کے علاوہ ہمارے پاس ایسی زبانی شہادتیں ہیں[2] جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عون المعبود کی مندرجہ بالا عبارت میں مولانا کا اشارہ اپنے ایک عظیم آبادی معاصر[3] کی طرف تھا، جو ایک جید حنفی عالم تھے، اور شمس المحدثین کی خدمت میں حاضر

---

[1] تراجم علماے حدیث ہند (ص ۳۲۹) میں مولانا بشیر الدین قنوجی کا سال وفات ۱۲۷۳ھ بتایا گیا ہے، جو صحیح نہیں ہو سکتا، مولانا شمس الحق (مولود ۱۲۷۳ھ) ان کے شاگرد ہیں، نیز وہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے دور میں بھوپال کے قاضی رہے ہیں، صحیح سنہ نہیں معلوم ہو سکا [2] ابھی مولانا شمس الحق مرحوم کے دیکھنے اور سننے والے بیسیوں اہل علم موجود ہیں جنہیں سے بعض ممتاز حضرات کی خدمت میں اس خاکسار کو نیاز حاصل ہے، اور ان میں سے اکثر سے راقم نے اس موضوع پر گفتگو کی، اور ہر ایک نے اس بات کی تائید کی کہ شمس المحدثین کا اشارہ مولانا ولایت علی کی طرف نہیں ہو سکتا،

[3] غالباً ان کا نام مولوی محمد عظیم تھا، ہمیں جن بزرگ کے واسطے سے یہ روایت پہنچی، انھوں نے نام بتانے سے انکار کیا،

ہوا کرتے تھے،

مولانا عنایت علی غازیؒ کے ابتلا و محن، اور ان کی جماعت کی ابتری کو بھی مولانا سندھی عقیدۂ غیبوبت ہی کا شاخسانہ بتاتے ہیں، جس کی وجہ صرف لاعلمی ہے،

ثم قام مقامہ الامیر عنایت علی	(پھر ان کی جگہ مولانا عنایت علی نے لی،
لکن ما حصل الاتفاق علی الجھاد	لیکن جہاد و قتال پر اتفاق نہ ہو سکا، بلکہ
والقتال بل جلسوا منتظرین فوفی	لوگ منتظر بیٹھے رہے، (یعنی سید صاحبؒ
سنۃ ۱۲۷۳ھ (؟ ۱۲۷۴)	کی واپسی کے)، ان کا انتقال ۱۲۷۳ھ (؟)
(ص ۱۹۱)	میں ہوا)
لکن حدث فی اصحاب الامیر عنایت	لیکن مولانا عنایت علی کی جماعت میں
علی جمع من المجاھدین ما زا فقوھم	کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے، جو اس عقیدے
علی ھذا الاصل بل مالوا الی الدھلویین	میں ان کے ساتھ متفق نہ رہ سکے، بلکہ ان کا
(ص ۔۔)	رجحان دہلویوں کی طرف ہو گیا)

جس المناک واقعے کو مولانا نے عقیدۂ غیبوبت کا شاخسانہ بتایا ہے، اس کی اصلیت بھی معلوم کر لیجئے:

تجب مولانا ولایت علی کا بماہ محرم (۱۲۶۹ھ) موضع ستھانہ ملک سوات میں انتقال ہو گیا، تو آپ (یعنی مولانا عنایت علی) منگل تھانہ سے وہاں واپس آئے، اور باتفاق تمام لوگوں نے آپکے ہاتھ پر بیعت امارت کی، اور جب تک سید اکبر شاہ کی اولاد (سید مبارک، سید عمر، سید عمران، سید مداد) نے فقراء مجاہدین کے ساتھ بے وفائی نہیں برتی، وہیں قیام فرمایا، پھر بہ حالت مجبوری مع مجاہدین منگل تھانہ واپس آکر مسکن گزین ہوئے اور باقی زندگی

تلیس مجاہدین کے ساتھ وہین ختم کر دی"

"۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے راہ پر خطر تھی، شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا، املاک تہلکہ مین تھے، ...... پھر کس کو ہوش تھا، اور کیونکر ممکن تھا، کہ سرحد پار فاقہ کشون کے لئے کوئی سامان کیا جا سکتا، مسلسل فاقہ کشی نے حالت تباہ کر دی، درختون کی کوپلون اور پتیون پر اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی، چند ماہ مسلسل غلہ پر نظر تک نہ پڑی، اجابتین خون آلود ہونے لگین آپ کے پاس جو نقود تھے، آپ مہاجرین و انصار پر صرف کر چکے تھے، اور وہ تھا ہی کیا، اونٹ کے منہ مین زیرہ اب ادھر ساتھیون کی بدگمانیان اور طعنے شروع ہو گئے، زندگی تلخ تھی، یہ وقت تھا کہ اگلی امم مضطر ہو کر متی نصر اللہ پکار اٹھی تھی، مگر اس صبر و استقامت کے کوہ نے نہایت حلم و رضامندی کے ساتھ اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ سے زبان تر کرتے ہوئے بعارضۂ بخار و ضیق النفس ۱۲۷۴ھ کے آخر مین (مطابق ۱۸۵۸ء) سجن المومنین سے جنت نعیم کو رحلت کی، اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ واحشرہ فی زمرۃ المہاجرین الذین ہاجروا وجاہدوا مع نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

(تذکرۂ صادقہ ص ۱۳۷-۸)

ان روح فرسا حالات مین اگر مجاہدین انگریزی علاقہ پر کوئی حملہ نہ کر سکے، یا خود ان کی جماعت مین کچھ اختلال پیدا ہو گیا، اور امیر کی اطاعت سے کچھ لوگ منحرف ہو گئے، تو اسے غلط معنی کیون پہنائے جائین ؟

"انشقاق جماعت" اور "مسئلہ غیبوبت" کے علاوہ مولانا ولایت علی کا ایک بڑا جرم یہ بھی ہے کہ انھون نے نجد و یمن کی سیاحت کی، اور امام محمد بن علی شوکانی (ف ۱۲۵۰ھ) سے روایت حدیث

[1] یہ وہ لکھ رہا ہے، جو سرحد پار مجاہدین کے لئے روپیہ اور سامان فراہم کرنے والون کا سرگرم شریک و

کی سند و اجازت لی (ص ۱۳۳، ۱۹۱) ہم پہلے بھی بارہا کہہ چکے ہین، کہ بیرون ہند کے اہل علم سے استفادہ کرنا کوئی جرم نہین، اسلام اس قسم کی جغرافی حدبندیون کا قائل نہین، خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (ف ۱۱۷۶ھ) نے مدینہ منورہ مین شیخ ابو طاہر کردی مدنی (ف ۱۱۴۵ھ) سے تعلیم حاصل کی، مولانا عبدالحئی بڈھانوی (ف ۱۲۴۳ھ) نے سفر حج کے موقع پر امام شوکانی رح سے خط و کتابت کی، اور انکی تصنیفات حاصل کین، (سیرت سید احمد شہید: ص ۳۲۰) اور مولانا کی روایت کے مطابق (ص ۸۴، حاشیہ) مولانا شہید نے بھی نجدیون کے پاس اپنا نامہ بر بھیجا تھا، تو پھر مولانا ولایت علی ہی کیون گنہگار قرار دیئے جائین، ایک ضروری بات جو سب سے آخر مین عرض کر دینا چاہتا ہون مولانا نے ایک جگہ فخریہ لکھا ہے، کہ ان کی دہلوی یا دیوبندی پارٹی اپنے نجدی و یمنی مخالفون کو چھوٹا رافضی کہہ کر پکارتی تھی، پتہ نہین، یہ کہان تک صحیح ہے؟ ہمین امید نہین کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی (ف ۱۲۹۷ھ) اور مولانا رشید احمد گنگوہی (ف ۱۳۲۳ھ) جیسے متورع عالم اپنے اہل حدیث اور غیر حنفی معاصرین پر ایسے الزام دھرتے ہون گے، کم از کم راقم کی طبیعت اسے قبول نہین کرتی، بہرحال حزب دہلوی (دیوبندی) کے ترجمان مولانا سندھی رقم طراز ہین :-

"مدرسۂ دیوبند پہلی درس گاہ ہے، جس نے مدرسہ دہلی کے بعد اس اصول پر کام شروع کیا، دیوبندی نظام نے پچاس سال مین جس طرح کامیابی حاصل کی ہے، وہ اس تجدید کی صداقت کے لئے شاہد عدل ہے"

اس نظام کو پختہ بنانے کے لئے عوام کو بتلایا گیا کہ جس قدر رہنما فقہ حنفی اور ہندوستانی تصوف چھوڑنے کی دعوت دیتے ہین، وہ حقیقت مین شیعہ پارٹی کا کام کرتے ہین، اس

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۶) و معاون تھا، یعنی مولانا عبدالرحیم صادق پوری برادرزادۂ مولانا ولایت علیؒ و مولانا عنایت علی متہم مقدمۂ سازش انبالہ و اسیر پورٹ بلیر)

زمانے مین حزب ولی اللہ کا متوسط طبقہ ہر ایسے انسان کو جو فقہ اور تصوف کا انکار کرتا،

چھوٹا رافضی کہتا رہا ہے، (ص ۱۸۰-۱۷۸)

ہم نہین جانتے کہ موجودہ دیوبندی نظام سے تعلق رکھنے والون مین کتنے افراد مولانا کے اس بیان سے اتفاق کر سکین گے ؟ بہرحال اتنا ہم جانتے ہین، کہ ان کی بڑی تعداد

ع سعدی از دستِ خویشتن فریاد

پکار اٹھے گی،

اس پر ایک مختصر سا حاشیہ بھی ہے، جس مین حضرت سید شہیدؒ کو بھی اس گندگی مین شریک کرنے کی کوشش کی گئی ہے:-

چھوٹا رافضی، شاہ اسحاقؒ کے متبعین جس کو اس قسم کا پاتے، عوام سے کہتے کہ یہ چھوٹا رافضی ہے، یہ جملہ دراصل امیر شہیدؒ کا بنایا ہوا ہے، مگر کثرت سے استعمال اس کا شاہ اسحاق کے متبعین نے کیا"۔

ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ یہ حضرت سید شہیدؒ پر ایک صریح بہتان ہے، سید صاحبؒ اور ان کے مخصوص اصحاب کا کیرکٹر بہت بلند رہا ہے، اور "کفِ لسان" تو ان کی خاص خصوصیت رہی ہے،

بات پر بات نکلتی گئی، اور اہلِ صادق پور سے آگے کلام کا سلسلہ نہ بڑھ سکا، اب اگر زندگی رہی، اور کوئی غیر معمولی رکاوٹ پیش نہ آئی، تو انشاء اللہ اگلی نشست مین شوکانی، زیدیت، نجدیت یمنی اور ہندوستانی تحریکون کے باہمی تقابل پر سیر حاصل گفتگو ہو سکے گی،

تلخیص و تبصرہ

کتابون کا انتخاب اور ان کا مطالعہ

دنیا کی ساری کتابین دو درجون مین تقسیم کیجا سکتی ہین، ایک وقتی، دوسری دائمی، یہ تقسیم صرف خوبی ہی کی بناپر نہین ہے، کیونکہ خراب کتابون کے لئے عدم قیام اور اچھی کتابون کے لئے دوام ضروری نہین ہے اصل امتیاز مصنف کا ہے، عمدہ کتابین وقتی بھی ہوتی ہین اور دوامی بھی، اسی طرح خراب کتابین بھی وقتی اور دوامی ہوتی ہین،

عمدہ وقتی کتابین ان لوگون کی مفید اور خوش گوار گفتگو کی حامل ہوتی ہین، جن سے آپ کی ملاقات نہین ہو سکتی، ان کی گفتگو آپ کے لئے کتابون کی شکل مین شائع کر دی گئی، ان کا وزن صرف اسی قدر ہے، کہ یہ کتابین بہت مفید، پر از معلومات اور اکثر دلچسپ اور صاحبِ فہم دوست کی گفتگو کی مانند ہوتی ہین، ان مین سفر کی دلچسپ تفصیلات، مسائل پر ظرافت، لطافت اور نکتہ سنجی کیساتھ مباحثہ، پُر درد اور شگفتہ قصے، اور کبھی کبھی حقیقت کا بھی اظہار ہوتا ہے، مصنف اس کا اظہار ذاتی تجربہ کی بناپر کرتا ہے، وہ حالاتِ حاضرہ سے گہرا تعلق رکھتا ہے، ترقیِ تعلیم کے ساتھ یہ کتابین بکثرت شائع ہو رہی ہین، ان مین دورِ جدید کی ایک اہم خصوصیت اور اس کا خاص کارنامہ مضمر ہے، گو ان سے مستفید نہ ہونا ہمارے لئے افسوسناک ہے، لیکن ان کتابون کا بدترین مصرف یہ ہے، کہ بہترین کتابون کو ان کے درجہ اور مرتبہ سے محروم کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کو مستقل کتابون کا درجہ نہین دیا جا سکتا

ان کی حیثیت مطبوعہ خطوط یا اخبارات سے زیادہ نہیں، دوستون کے خطوط ضروری اور خوشگوار تو ہوتے ہین لیکن ان کا محفوظ رکھنا غور طلب امر ہے، اخبار ایک ضروری اور مناسب چیز ہے لیکن وہ تمام دن پڑھنے کی چیز نہیں، اس لئے صحیح معنون مین ایسی کتابون کو کتاب نہین کہا جا سکتا،

درحقیقت وہ کتاب کتاب ہی نہین جو صرف گفتگو کی جامع ہو، کتاب ایسے گہرے خیالات کی حامل ہونی چاہئے، جس کا مقصد صرف ان خیالات کی اشاعت نہین، بلکہ ان کا دوام ہوتا ہو، جو کتاب صرف گفتگو کی حامل ہوتی ہے، اس کی اشاعت کا مقصد صرف اتنا ہے، کہ چونکہ گفتگو کرنیوالا ہزارون اور لاکھون آدمیون سے بیک وقت گفت گو نہین کر سکتا، (یہ ریڈیو کی ایجاد کے قبل تھا لیکن بہرحال اس کی رسائی بھی محدود ہے) اس لئے اس کتاب کی اشاعت سے اس کی آواز کی ترسیع اشاعت ہو جاتی ہے، حقیقی کتابون سے صرف خیالات کی اشاعت ہی نہین، بلکہ ان کو دوام بخشنا مقصود ہوتا ہے، مصنف جو کچھ کہتا ہے، اس کی صداقت پر خود بھی ایمان رکھتا ہے، اور اس کو سود مند سمجھتا ہے، اور اس کے خیال کے مطابق اس حقیقت کو اب تک کسی نے بیان نہین کیا ہے، اور نہ بیان کر سکتا ہے، اس لئے وہ اپنا پیام وضاحت اور حلاوت کیساتھ پیش کرتا ہے، اگر بیان مین حلاوت ممکن نہ ہو، تو وضاحت بہرحال ضروری ہے، اس کو اپنا پیام حاصلِ زندگی نظر آتا ہے، وہ مافوق البشر ہونے کا دعویٰ نہین کرتا، بلکہ اس کا اعتراف کرتا ہے، کہ وہ عام انسانون کی طرح کھاتا، پیتا، سوتا اور محبت کی دلکشی اور نفرت کی کشمکش مین گرفتار ہے، لیکن اس کا یہ دعویٰ ضرور ہوتا ہے کہ اس کو جو روشنی نظر آئی، وہ اس کی تحریر مین جھلک رہی ہے، جس کو وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی متاع تصور کرتا ہو زندگی کی قید و بند کے باوجود جس حد تک بھی انسان کو روحانی صلاحیت اور الہامی اہلیت بخشی گئی ہے، اس کا پرتو حقیقی تصانیف مین نظر آتا ہے، یہی تصانیف حقیقی کتابین کہلانے کی مستحق ہین،

ممکن ہے آپ خیال کرین کہ ایسی کتابین کبھی وجود ہی مین نہین آئین تو کیا آپ دیانت و محبت کے بالکل قائل نہین، یا اہل ایمان اور محبت کا خذبہ ہی ختم ہوگیا، اگر ایسا نہین ہے اور یقیناً نہین ہے تو پھر ایمان دار آدمی، ایمان اور محبت سے جو لکھتا ہے، وہی اسکی کتاب ہو ممکن ہے، اس کے کام مین کچھ نقائص یا زوائد ہون، لیکن اسکی خوبیون سے انکار نہین کیا جا سکتا، یہی خوبیان اسکی کتاب کی روح ہین

ایسی کتابین ہر زمانہ مین بڑے بڑے علما ارباب کمال رہنماؤن اور مدبرون نے لکھی ہین، یہ کتابین آپ کے انتخاب کے لئے موجود ہین، زندگی مختصر ہے، اس مختصر زندگی کو جب آپ معمولی کتابون کے مطالعہ مین صرف کرین گے، تو اعلیٰ تصانیف کے مطالعہ کا موقع نہین مل سکتا، اور آج کے نقصان کی تلافی کل ناممکن ہے،

جب آپ بادشاہون سے گفتگو کر سکتے ہین، تو کیا ادنیٰ درجہ کے ملازمون اور سائیسون سے گفتگو کرنا پسند کرین گے؟ اور جب شاہی دربار کے دروازے آپ کے لئے کھلے ہوئے ہین، تو آپ عوام کے مجمع سے گفتگو کرنے کے لئے دھکے کھانا گوارا کرین گے؟ خصوصاً ایسی حالت مین جب کہ شاہی دربار کی وسعت ساری دنیا کو حلقہ کئے ہوئے ہے، اور اس مین ہر زمانہ کے منتخب عالی دماغ صاحب علم و فضل موجود ہین، اس دربار مین آپ داخل ہو سکتے ہین، اور اپنی خواہش کے مطابق درجہ بھی حاصل کر سکتے ہین، اور ایک بار داخل ہونے کے بعد اس دربار سے اسوقت تک آپ کا اخراج نہ ہوگا جبتک خود نا اہل نہ ثابت ہون، خوب بلند جگہ اس دربار مین آپ حاصل کرنا چاہتے ہین، اس کا انحصار آپکی بلندی و پستی پر ہے یہان آپکے مقاصد کا امتحان ہوگا جس مقام کے آپ متلاشی ہین اور جس کی اہلیت آپ اپنے مین پیدا کرنا چاہتے ہین، وہ مقام انھی کے اس دربار اشرافت کے مثل ہے، جو موجودہ دربار اشراف سے اس معنی مین بالکل مختلف ہے، کہ اس دربار مین داخلہ کا مدار صرف محنت و ذاتی خوبی پر ہے، وہ دربار ایسی پاک روحون کا مسکن ہے جس کا داخلہ دولت، رشوت، رعب اور مکر و فریب سے بالکل ناممکن ہے، اس مین پست

اور بد مذاق کبھی داخل ہی نہین ہوسکتا، وہان صرف ایک سوال کیا جاتا ہے، کیا تم داخلہ کے مستحق ہو؟ اگر ہو تو مرحبا، تم اشرافیہ کے رفیق بننا چاہتے ہو، تو شریف بنو، رفیق ہوجاؤ گے، تم حکماء سے گفتگو کرنا چاہتے ہو، تو ان کی گفتگو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرو، پھر تم ان کی گفتگو سن سکو گے، اگر تم حکما کی سطح تک نہین پہنچ سکے، تو وہ تمھاری سطح پر آنا قبول نہین کرین گے، ایک بڑا رئیس پر تصنع اخلاق سے تم سے پیش آسکتا ہے، ایک زندہ فلاسفر ایک نکتہ کی وضاحت کی زحمت گوارا کرسکتا ہے، لیکن حکماے قدیم ایسے تصنع و وضاحت سے بالاتر ہین، ان سے مستفید اور محظوظ ہونے کے لئے تم کو ان کے خیالات کی سطح تک پہنچنا چاہیے، اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے کیلئے تم کو ان کے احساسات سے ہم آہنگ اور ان کے خیالات کا ہمنوا ہونا چاہیے، صرف حوصلہ مندی بےکار ہے، اُن سے محبت کرنا بھی ہم کو سیکھنا پڑے گا، استفادہ کے جذبہ صادق کے ساتھ ان کے خیالات سے ہم آہنگ ہو کر ہم کو اُن سے محبت بھی کرنا پڑے گی ہمین ان کو اپنے خیالات کا ترجمان نہ سمجھنا چاہئے اگر مصنف اپنے سے زیادہ بلند نظر نہین ہے، تو اس کا مطالعہ غیر ضروری ہے، اور اگر وہ بلند نظر ہے تو اس کے خیالات ہمارے خیالات سے ضرور مختلف ہون گے،

کسی کتاب کے بارے مین یہ کہدینا بہت آسان ہے، کہ یہ کتاب بہت اچھی ہے، یا یہ میرے خیالات کی ترجمان ہے، اس کے بجائے یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا، کہ یہ کتاب عجیب ہے، اور جو خیالات اس مین ظاہر کئے گئے ہین، وہ میرے حاشیۂ خیال مین بھی نہ تھے، باانیہمہ وہ بالکل صحیح ہین، اگر اس وقت صحیح نہین معلوم ہوتے، تو وہ آیندہ بالکل صحیح ثابت ہون گے، مصنف کا مطالعہ اس کے نقطۂ نظر کی جستجو مین کرنا چاہئے، اس کو اپنے خیالات کا ترجمان نہ سمجھنا چاہئے، پہلے اس کے نقطۂ نظر کو معلوم کیجئے، پھر اگر آپ مین صلاحیت پیدا ہوگئی ہے، تو اس پر تنقیدی نگاہ ڈالیے لیکن یہ یقینی ہے کہ اگر مصنف صاحب کمال ہے، تو آپ ہرگز اس کے نقطۂ نظر تک جلد نہ پہونچین گے،

بلکہ عرصہ تک اوس کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکین گے، کیونکہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے، اس کو بیان نہین کرتا، اور وضاحت سے گریز کرتا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ سب کچھ بیان کر بھی نہین سکتا، اور بہت کچھ محض اشارات و تمثیلات مین کہتا ہے، تاکہ اوس کو یہ معلوم ہوسکے، کہ آپ کی طلب صادق ہے، ایسے مصنفین آپ کو اپنے خیالات کا اہل سمجھتے ہین، اس لئے وہ ان سے آپ کو مدد کر طور پر روشناس کرانا نہین چاہتے، بلکہ ان تک خود آپ کی رسائی چاہتے ہین، یہی حال مادی خزانون یعنی سونے اور جواہرات وغیرہ کا ہے، زمین کے اندر کی برقی قوتین سونے کے پہاڑون کی چوٹیون پر نہین بکھیرتین، کہ آسانی سے سونے کا ذخیرہ جمع کرلیا جائے، بلکہ فطرت نے سونے کے ذرات کو طبقات زمین مین پوشیدہ اور محفوظ کردیا ہے، اس لئے کان کنی کی مشقتین اکثر بےکار اور کبھی کامیاب ہوتی ہین، سونے کے ذرات کبھی صاف نہین، بلکہ ہمیشہ خس و خاشاک سے آلودہ ملتے ہین، بالکل یہی حال علم کے خزانے کا ہے، جس طرح سونے کے ذرات چٹانون مین پوشیدہ ہوتے ہین، اسی طرح مصنف کے خیالات الفاظ کے چٹانون مین دبے رہتے ہین، ان چٹانون کی بالائی سطح کو توڑ کر انکی تہ تک پہنچنا یہ آپ کا کام ہے آپ کا غور و خوض، فکر و تدبر اور صلاحیت و استعداد اس کان کنی کے اوزار ہین، آپ کا پر فکر دماغ آپ کی بھٹی ہے، بغیر ان اوزار اور اس آگ کے آپ کسی بلند پایہ مصنف کے مفہوم کو سمجھ نہین سکتے الفاظ کی چٹان کو اپنی ذہانت اور ذکاوت کی چھینی سے آپ کو بڑی ہوشیاری کے ساتھ کاٹنا اور تراشنا پڑے گا، اُس وقت آپ گوہر مقصود تک پہنچ سکین گے،

حرفون کی ترتیب سے الفاظ، الفاظ کی ترتیب سے خیالات اور خیالات سے لٹریچر بنتا ہے، اور اس کا مطالعہ کئے بغیر حقیقت تک رسائی نہین ہوسکتی، اس لئے بڑے بڑے کتب خانون کی تمام کتابون کے سطحی مطالعہ کے بعد بھی ایک آدمی ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ کہا جاسکتا ہے، اور چند متون کے عمیق مطالعہ کی بنا پر تعلیم یافتہ کہا جاسکتا ہے، تعلیم اور عدم تعلیم کا مدار صرف صحتِ مطالعہ

پرے ممکن ہے، ایک اچھا تعلیم یافتہ مختلف زبانیں نہ جانتا ہو اور ایک ہی زبان سے واقف ہو اور صرف چند ہی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو، لیکن ایک زبان سے اس کی واقفیت کامل ہو، تو وہ یقیناً تعلیم یافتہ کہا جائیگا، مطالعہ کے لئے ہر ہر لفظ پر پوری نگاہ رکھنا ضروری ہے، کبھی کبھی چند منتخب الفاظ ہزاروں الفاظ سے کہیں زیادہ شرح و وضاحت کے حامل ہوتے ہیں، اساتذہ کے خیالات سے واقف ہو جانے کے بعد تم کو ان کے جذبات کو محسوس اور قبول کرنا چاہئے، یہی جذبات انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز قائم کرتے ہیں، ہماری انسانیت کا مدار ہمارے احساس قلب ہے اور یہی حرارتِ قلب شرافتِ انسانی کا پیمانہ ہے،

"ن ص"

شریف کیریکٹر

بھلے مانس سے کبھی کسی کو ایذا نہیں پہنچتی، وہ کسی کی تکلیف اور دکھ کا باعث نہیں ہو سکتا، اس کی خوبیوں میں شرافت کی روح تڑپتی رہتی ہی، وہ لوگوں کی ان دقتوں کو دور کرتا رہتا ہے جو اُن کے نیک کاموں میں رخنہ انداز ہوتی ہیں، وہ سنگِ راہ نہیں بلکہ راہنما ہوتا ہی، وہ اقدام دپیش قدمی پر تائید و اتفاقِ رائے کو ترجیح دیتا ہے، اس کی زندگی دوسروں کی عافیت و سکون کے لئے اسی طرح وقف ہوتی ہے، جیسے کمرے کا فرنیچر اور آتشدان کی آگ جن کو اپنی ضرورت اور پسند کے مطابق ترتیب دینا اور روشن کرنا کس درجہ باعثِ راحت ہوتا ہی،

بھلا مانس یعنی صحیح معنوں میں ان تمام باتوں سے بڑی احتیاط کے ساتھ احتراز کرتا ہی جن سے احباب کے احساس کو صدمہ پہونچنے کا امکان ہو سکتا ہی، وہ ان کے اختلافِ رائے، جراحت احساس، شک و شبہ، حزن و ملال، ترشی و تلخی، غصہ و ناراضی کے تمام امکانات پر نگاہ رکھتا ہی اور ان سب سے پاک و بلند رہتا ہی، اس کا نصب العین اور خاص کوشش یہ ہوتی ہے، کہ اس کے

متوسلین پرسکون اور مسرور زندگی بسر کریں، اس کی نگاہِ لطف پوری جماعت پر ہوتی ہے، شرمیلے لوگوں پر وہ شفقت کرتا ہے، دیر آشنا سے لطف و نرمی سے پیش آتا ہے، سادہ لوح پر ترس کھاتا ہی، وہ اپنے طرز عمل مین مخاطب کے مرتبہ اور سطح کا پورا لحاظ رکھتا ہے، وہ برخود غلط اور فریب خوردہ نہین ہوتا، وہ ان مباحث و مسائل سے قطعی احتراز کرتا ہے، جو دوسرون کی تکلیف اور تکدر کا باعث ہو سکتے ہین، گفتگو مین نمایاں اور وبالِ جان ہونے سے احتراز کرتا ہے، دوسرون کے ساتھ اپنی ہر نیکی کو خفیف اور ناقابلِ اعتنا سمجھتا ہے، بلکہ دوسرونکے ساتھ نیکی کرکے الٹے خود ان کا ممنون ہوتا ہے، وہ ان سے اتنا بلند ہوتا ہے، کہ اپنی گفتگو مین ذاتی حوالہ کو بھی گوارا نہین کرتا، وہ اپنے اور دوسرون کے لئے اہانت آمیز اور لغو باتین سننا پسند نہین کرتا، جو لوگ اس کی راہ مین دقتین پیدا کرتے رہتے ہین، ان کی نیت پر بھی شک نہین کرتا، اور ہر بات کی بہترین توجیہ و تشریح کرتا ہے، اس کے اپنے جھگڑون مین بھی کبھی پستی و رکاکت کا شائبہ نہین ہوتا، وہ کبھی ناجائز فائدہ نہین اٹھاتا، وہ بحث و مباحثہ کو ذاتیات اور تلخ کلامی سے بلند رکھتا ہے، جس برائی کو علی الاعلان بیان کرنے کی جرأت نہین کرتا، اس کی طرف اشارے سے بھی پرہیز کرتا ہے، وہ اپنی فراست کی بنا پر اس مقولہ کا پابند ہوتا ہے، کہ ہم کو اپنے دشمن کیساتھ اس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے گویا وہ ایک دن پھر ہمارا دوست ہو جائے گا" عقلِ سلیم کی بنا پر توہین سے اپنی رسوائی نہین محسوس کرتا، کثرتِ مشاغل کی وجہ سے جراحتون کو یاد نہین رکھ سکتا، اس کا تحمل دوسرون کے جذبۂ حسد کو سلب کر لیتا ہی،

وہ صابر و شاکر ہوتا ہی، درد و دکھ برداشت کرتا ہے، کیونکہ یہ ناگزیر ہے، وہ سوگ مین سکون سے رہتا ہے کہ سوگ ناقابلِ تلافی حادثہ ہے، موت کے حوادث پر راضی بہ رضا رہتا ہے، کیونکہ یہ تقدیر الٰہی ہے، اگر کبھی کسی مباحثہ مین حصہ بھی لیتا ہے، تو اپنی ذہنی تربیت و توازن کے باعث

تہذیب و تمیز کی سطح سے ان لوگون کی مانند نیچے نہین آتا، جو صاحب علم ہونے کے باوجود تہذیب سے عاری ہوتے اور ذہنی تربیت سے محرومی کے باعث معمولی باتون کو بھی الجھا دیتے ہین،

اسکی رائے صحیح اور غلط ہو سکتی ہے، لیکن وہ اپنی ذہنی فراست کی وجہ سے ناانصافی کا مرتکب نہین ہوتا، اس مین سادگی قوت، جامعیت اور قوت فیصلہ کی خوبیان پائی جاتی ہین، وہ کھرا اور تصنع سے پاک ہوتا ہے، پاک باطنی تالیف قلب اور لحاظ و مروت و شفقت کا مجسمہ ہوتا ہے، مخالفون کے دل کو ٹٹولتا ہے، اور ان کی غلطیون کے اسباب کو سمجھتا ہے، وہ عقل انسانی کی قوتون کمزوریون اس کی وسعت اور حدود سے واقف ہوتا ہے، اگر وہ مذہب کا منکر ہوتا ہے، تو بھی اپنی سنجیدگی اور عالی ظرفی کی وجہ سے مذہب کا تمسخر و استہزا اور اسکی خلاف ورزی کبھی نہین کرتا، اپنی دانشمندی کی وجہ سے وہ اپنے انکار مین بھی ادعا پسند اور مجنون نہین ہوتا، وہ زہد و تقوی کا احترام کرتا ہے، قومی دستور اور رواج کو قابلِ احترام، مفید یا دلکش سمجھ کر ان کی تائید کرتا ہے، مذہبی پیشواؤن کی عزت کرتا ہے، تیر معرفت سے انکار کے باوجود وہ مذہب کی توہین و حقارت کبھی گوارا نہین کرتا، وہ مذہبی رواداری کا علمبردار ہوتا ہے، اس کی رواداری کی بنیاد نہ صرف اسکے فلسفہ پر ہوتی ہے، جو ہر مذہب کو احترام کی نظر سے دیکھنے کی تعلیم دیتا ہے، بلکہ شرافت اور شفقت کے احساس پر بھی جس کا تہذیب سے گہرا اور مستقل واسطہ ہے،

تاریخ اخلاق اسلام حصہ اول

اس مین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی،

ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت عہ/ ۳ ”منیجر“

اخبار علمیہ

سیارہ زحل

آفتاب سے زحل کی اضافی قربت کے لحاظ سے زحل چھٹا سیارہ شمار کیا جاتا ہے، بعض علمائے ہیئت کے خیال کے مطابق وہ بڑی عظیم الشان ٹھوس چٹانون سے مرکب ہے جو برف سے ڈھکی ہوئی اور ایک بڑے وسیع دائرے مین گھری ہوئی ہین، اجرام سماوی مین یہ دائرہ نادر نمونہ ہے، زحل اسی دائرہ مین نظر آتا ہے، اور اس کی شعاعین ہم کو مثلث انگشتری کی شکل مین دکھائی دیتی ہین، لیکن خود انگشتری بغیر طاقت ور دوربین کی مدد کے نظر نہین آتی، علمائے ہیئت کا خیال ہے، کہ زحل کی حلقہ دار روشنی بے شمار چھوٹے چھوٹے اجرام سماوی سے پیدا ہوتی ہے، جو ایک دوسرے سے پیوستہ ایک مضبوط نظام مین جکڑے ہوئے زحل کے گرد چکر لگاتے ہین، یہ چھوٹے اجرام دوسرے بڑے اجرام کی قوت جاذبہ اور ان کے اثر سے باہم متصادم نہین ہو سکتے، انگشتری کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کسب نور کرتی ہے، یہ کسی زمانہ مین زحل کے چاند تھے، پھر اپنے بڑے کوکب کے قریب آجانے اور اسکی قوت جاذبہ کے زور سے ٹوٹ کر ان کے لاکھون ٹکڑے ہو گئے، اگرچہ اجرام سماوی کی گردش کا قدرت کی جانب سے ایک مقررہ نظام ہے جس کی بنا پر ان مین باہم تصادم نہین ہوتا، پھر بھی بڑے کواکب کا ان سے زیادہ قوت جاذبہ رکھنے والے کواکب سے ٹکرانے کا ہمیشہ امکان ہے،

عربون کی غواصی

خلیج فارس اور یمن کے سواحل نہایت قدیم زمانہ سے موتیون کے مخزن ہین، اور یہان ہزارون سال سے موتی نکالنے کا کاروبار ہوتا ہے، اس لئے عرب دنیا کے سب سے زیادہ ماہر اور مشاق غوطہ زن ہین، ان کے بعد سیلون کے غواصون کا نمبر ہے، کیونکہ یہان بھی ۳ ہزار سال سے موتیون کا کاروبار ہوتا ہے، سیلون کے غواص جنوبی ہند کے سواحل سے کسی زمانہ مین آئے تھے، جن مین بہت سے عربی النسل بھی ہین، لیکن عرب غواص اپنے پیشہ کی مہارت اور ہمت و شجاعت مین ہندوستانی غواصون سے بڑھ کر ہین، ان کی غواصی کا وقفہ زیادہ طویل ہوتا ہے، موتی کے سیپ سمندر کی گھنی جھاڑیون کے جھنڈ مین ہوتے ہین جن مین بکثرت سمندری سانپ اژدہے اور بچھو لپٹے ہوتے ہین، سمندری کتے علیحدہ حملہ کرتے ہین، ان خطرات مین عرب غواص ننگے بدن بڑی ہمت و شجاعت سے نہایت پھرتی کے ساتھ سیپوں کو جھپٹ لاتے ہین، غواصی مین مہارت اور غواصون کے دم کے اعتبار سے غواصی کے وقفہ کی مقدار کم زیادہ ہوتی ہے، عام اوسط ۴۰ سے ۵۰ منٹ تک کا ہے، زیادہ سے زیادہ ۶۰ منٹ صرف ایک مثال ۱۰۹ منٹ کی ملتی ہے، سیلون مین غواصی حکومت کی نگرانی مین ہوتی ہے، سمندر سے سیپ اور اس کے ساتھ جو شے نکلتا ہے، اس کا ایک حصہ حکومت لیتی ہے، اور ایک تہائی غواص کو ملتا ہے، موتی نکالنے کے موسم مین ایک ہزار یومیہ سیپ نکالے جاتے ہین، غواص اپنے حصہ کے سیپ تاجرون کے ہاتھ جو پہلے سے موجود ہوتے ہین بیچ دیتے ہین، سیپ کے کھولنے کا وقت تاجرون کی قسمت کے فیصلہ کی بڑی اہم اور نازک گھڑی ہوتی ہے کیونکہ بعض سیپ محض خزف نکلتے ہین اور بعض سیپ مین جو ایک روپیہ مین ملجاتے ہین، بادشاہون کے تاج کے لائق موتی نکل آتے ہین،

ایک حیرت انگیز کپڑا

امریکہ نے حال مین درخت کی گوند سے ایک حیرت انگیز کپڑا بنایا ہے، اس پر آگ پانی ہوا کسی چیز کا اثر نہین ہوتا، یہ کپڑا فولاد کی چادر سے زیادہ مضبوط اور ریشمی کپڑون کی طرح نرم اور ملائم ہے اس کو معمولی کپڑون کی طرح آسانی سے جیسے چاہین لپیٹ اور تہ کر سکتے ہین، اسکی مضبوطی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ ایک مربع انچ کپڑا کئی ہزار پونڈ کا بار اٹھالیتا ہے، اس مین مسامات نہین ہوتے، اس لئے پانی کو جذب نہین کرتا، اور دھونے سے اس مین کوئی خرابی نہین پیدا ہوتی آگ کے شعلے اسے جلا نہین سکتے، لیکن چونکہ گوند سے تیار کیا گیا ہے، اس لئے زیادہ دیر تک پانی مین رہنے سے گھل جاتا ہے، امریکہ مین موٹرون، ہوائی جہازون، بیلون کشتیون، میزون، دیوارون وغیرہ مختلف چیزون مین استعمال شروع ہوگیا ہے، اس کا نام گوند کے درخت کے نام پر سارا ن ہے،

ایک نیا موسمی آلہ

ہوائی حملہ کی کامیابی کا مدار بڑی حد تک موسمی کیفیت پر ہوتا ہے، اس لئے موسم کا اندازہ کرنے کے لئے ایسے آلات ایجاد کئے گئے ہین جن سے بہت دور تک فضائی کیفیت کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے، چنانچہ فضا مین ہوا کے رخ اور اسکی رفتار دریافت کرنے کے لئے گیس سے بھرا ہوا غبارہ فضا مین اڑایا جاتا ہے، جس کی رفتار اور پرواز کے رخ کا بیس میل کی بلندی تک رصدگاہ مین مشاہدہ اور اندراج ہوتا رہتا ہے، اور ایک گرہ پر روشنی کی چمک اور بادل کا سایہ پڑتا رہتا ہے، اس کی مدد سے روشن اور مکدر فضا کا نقشہ رصد گاہ مین بنایا جاتا ہے،

"م"

ادبیات

عبادت کے لوازم و آثار

از جناب یحییٰ اعظمی

یہی ہیں شمع عبادت کے لازمی انوار ۔۔۔ کہ آئینہ کی طرح تزکیہ ہو باطن کا

ہو محو معصیتِ روز و شب کا داغ کہن ۔۔۔ ازالہ یعنی ہو باطن کے دردِ مزمن کا

کدورتوں سے یہ آئینہ صاف ہو جائے ۔۔۔ محبتوں کا خزینہ ہو قلب مومن کا

حیات خوبیٔ اخلاق سے سنور جائے ۔۔۔ مرقع آپ ہوں سر تا قدم محاسن کا

ہو خلق موردِ الطاف نطق شیریں سے ۔۔۔ نہ ہو نشانہ کوئی ناوکِ مطاعن کا

ہر اک عمل میں ہو احسان کی جلوہ فرمائی ۔۔۔ کہ ہے بلند جہان میں مقام محسن کا

قبول انھیں کو خدا کے یہان بھی حاصل ہے ۔۔۔ ہے نیک، خلقِ خدا سے معاملہ جن کا

شرابِ ذکر سے یہ کیف اگر نہ ہو طاری

ہنوز شیشۂ دل تزکیہ سے ہے عاری

قیام میں ہو دل در رکوع و سجود میں بیسود ۔۔۔ خزینۂ صدق و صفا کا اگر نہیں سینہ

جلا فروغ عبادت سے پا نہیں سکتا ۔۔۔ اگر ہے زنگ سے تاریک دل کا آئینہ

رہے گا مشق ریاضت سے بھی یونہی بے نور ۔۔۔ وہ سینہ جس میں نہیں معرفت کا گنجینہ

زبان کے ذکر و تلاوت سے فائدہ کیا ہے ۔۔۔ بھرا ہو دل میں جو بغض و عداوت و کینہ

نہیں ہے نفس کی اصلاح اسقدر آسان ۔۔۔ بڑے ریاض سے مٹتی ہے خوے دیرینہ

قبولیت کی ہے معراج تزکیہ دل کا ۔۔۔ یہ بام قدس کا گویا ہے اولین زینہ

غرض ہے سب کی رضائے خدا و صدق و صفا ۔۔۔ شبینہ ذکر و عبادت ہوں یا ہوں روزینہ

ظہور اگر نہ ہو عابد سے ان محاسن کا

جلا کا ہے ابھی محتاج شیشہ باطن کا

نیا ادب

از جناب اسد ملتانی

نہ پاسِ خلق، نہ خوفِ خدا، نہ شرمِ نبیؐ ۔۔۔ نیا ادب ہے کہ سعیٔ فروغِ بے ادبی

ہوائے نفس کی تصویر شوخ و عریان کو ۔۔۔ کہیں حیات کا آئینہ، وائے بوالعجبی

بیان حال میں پنہان ہے آرزومندی ۔۔۔ ہے احتساب کے پردے میں مدعا طلبی

یہ چاہتے ہیں کچھ ایسی مکمل آزادی ۔۔۔ کہ جس کے دور میں کوئی بدی رہے نہ بدی

ہے سر میں ہوش بہ اندازۂ پریشانی ۔۔۔ ہے دل میں جوش بمقدار بادہ عنبی

یہ زندگی ہے کہ دنیائے دل کی بربادی ۔۔۔ یہ روشنی ہے کہ فکر و نظر کی تیرہ شبی

وہ بوالہوس بھی جنھیں جرأتِ گناہ نہیں ۔۔۔ ادب میں ڈھونڈھ رہے ہیں علاج تشنہ لبی

نئے ادب میں چمک اور تپش سہی لیکن ۔۔۔ وہی کہ اصل ہے جنکی شرار بو لہبی

جدید بھی تو نہیں یہ ادب کہ ہے اس میں ۔۔۔ وہی قدیم ہوس جوئی و طرب طلبی

پھر ایک بار بہ فیضِ فرنگ اُبھرا ہے ۔۔۔ دبا ہوا ادبِ جاہلیتِ عربی

اسد، ادیب "ترقی پسند" سے کہہ دو

رہے تجھی کو مبارک فریبِ خوش لقبی

باب التقریظ والانتقاد

کلمات الشعراء سرخوش

از مولانا عبد السلام ندوی

تصحیح کردہ جناب صادق علی صاحب دلاوری ایم اے ایلفرڈ پٹیالہ ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی،

تقطیع بڑی ضخامت ۱۳۲ کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت :- عہ رپتہ شیخ مبارک علی

تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

فارسی شعراء کے بعض تذکرے شائع ہو چکے ہین، لیکن ابھی ان کی بڑی تعداد غیر مطبوعہ ہے، مگر اب رفتہ رفتہ اہل علم کی کوششون سے تصحیح واہتمام کے ساتھ ان کی اشاعت ہوتی جاتی ہے، اس سے پہلے محترم فاضل مولوی شفیع صاحب پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے فارسی کے مشہور تذکرہ میخانہ کو بڑی محنت اور اہتمام سے اڈٹ کرکے شائع کیا، محمد افضل سرخوش کا فارسی کا مشہور تذکرہ کلمات الشعراء بھی اب تک زیور طبع سے محروم تھا، مسٹر صادق علی دلاوری نے اس کو اڈٹ کرکے شائع کیا ہے، اور اس کو لاہور کے مشہور تاجر کتب شیخ مبارک علی صاحب نے چھپوایا ہے، اس تذکرہ کا متن پانچ نسخون کے مقابلہ سے تیار کیا گیا ہے، جو سب کے سب پنجاب ہی مین موجود تھے، ان مین چار نسخے پروفیسر شیرانی کے مجموعہ مین تھے، اور ایک پنجاب یونیورسٹی کے مجموعہ مین تھا، لیکن یہ تمام نسخے ناقص، نامکمل اور باہم مختلف تھے، لیکن خود مسٹر صادق علی دلاوری نے لکھا ہے، کہ آج اس کے نسخہ جات اس کثرت کیساتھ پائے جاتے ہین، کہ کوئی مجموعۂ مخطوطات فارسی ایسا نہین جس مین اس کے نسخے موجود نہ ہون، نیز فارسی تذکرون مین شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے نسخے اس کثرت سے ملتے ہون

اس لئے اگر کوشش کیجاتی تو اوس کے اور بھی متعدد نسخے بہم پہنچ سکتے تھے، اور اُن کے مقابلہ سے اس سے بہتر متن تیار ہو سکتا تھا، لیکن بہرحال مسٹر صادق علی دلاوری مستحق شکریہ ہین، کہ ان کی کوشش سے فارسی شعراء کا ایک اور تذکرہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر ہمارے سامنے آگیا،

تذکرہ کے شروع مین مرتب نے مصنف تذکرہ محمد افضل سرخوش کے حالات لکھے ہین جو نہایت دلچسپ ہین، اور زیادہ تر خود انہی کے تذکرہ کے مختلف مقامات سے ماخوذ ہین، اس لئے دلچسپ ہونے کے ساتھ مستند بھی ہین، اس کے بعد خود کلمات الشعراء پر ایک مفصل ریویو لکھا ہے، جس مین تذکرہ کے سبب تالیف، سن تصنیف، ماخذ اور اس کے طرز تحریر وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اس تذکرہ مین جہانگیر سے لیکر عالمگیر کے زمانہ تک کے شعراء کا حال لکھا گیا ہے جن مین زیادہ تر وہ شعراء ہین جو خود سرخوش کے ہمعصر تھے تذکرہ کا سن تالیف ۱۰۹۳ھ ہے، اور خود کلمات الشعراء سے جو اس کا تاریخی نام ہے، یہ سن نکلتا ہے لیکن اس مین بعض حالات ۱۱۱۵ھ تک کے بھی ملتے ہین تاہم چونکہ سرخوش نے متعدد بار اس تذکرے کے مسودے خود اپنے ہاتھ سے لکھے ہین، اس لئے جابجا عبارتون مین تغیرات واقع ہوئے ہین، اور بعض لوگون کے حالات کا اضافہ کیا گیا ہے، اس لئے اگر اس مین بعض واقعات ۱۱۱۵ھ کے داخل ہو گئے ہین، تو یہ کوئی تعجب انگیز بات نہین، جہان تک اشعار کے انتخاب کا تعلق ہے، وہ زیادہ تر میر معز موسوی خان اور محمد علی ماہر کی بیاض سے لئے گئے ہین، اور حالات زیادہ تر خود سرخوش کے چشمدید ہین، طرز تحریر بہت سادہ اور آسان ہے، غیر ضروری عبارت اور لفاظی سے احتراز کیا گیا ہے، اس تذکرہ کے دیکھنے سے پہلے ہم کو توقع تھی، کہ اس مین شعراء کے مفصل حالات مل سکین گے، لیکن تذکرہ کے پڑھنے کے بعد اس توقع مین کامیابی نہین ہوئی اکثر شعراء کے حالات زیادہ تر دو ایک سطرون مین لکھے گئے ہین، اور صرف چند اشعار کا انتخاب کر دیا گیا ہے، لیکن اس حیثیت سے یہ مختصر حالات بھی بہت زیادہ قابل قدر ہین، کہ ایرانی تذکرہ نویس

اور اسکی تقلید مین مستشرقین یورپ بھی ہندوستان کے فارسی گو شعرار کو کوئی اہمیت نہین دیتے، اور انھون نے ہندوستان کے فارسی گو شعرار کو اپنے تذکرون مین جگہ نہین دی، اس لیے ان مین ان کے مختصر حالات بھی نہین ملتے، لیکن سرخوش چونکہ خود ہندوستان مین پیدا ہوا، اور ہندوستانی شعرا سے اسکی صحبتین رہین، اس لئے اس نے ان شعرار کا تذکرہ بھی کیا ہے، اور ان کے کمالات کا اعتراف بھی کیا ہے، بالخصوص ناصر علی اور غنی کی بے انتہا تعریفین کی ہین، اس لئے جن شعراء کے حالات اور تذکرون مین نہین ملتے، وہ اس مین مل جاتے ہین، اس تذکرہ سے شعر و شاعری کے متعلق جو تاریخی نکتے معلوم ہو سکتے ہین، وہ حسب ذیل ہین:

(۱) اس زمانہ مین شاعری کا دار و مدار تمامتر صنعت ایہام اور خیال بندی پر رہ گیا تھا، چنانچہ غنی کی خصوصیت یہ بتاتا ہے،

"از خطہ کشمیر بلکہ تمام اقلیم ہند، ہمچو او سخنورے خوش خیال نازک بند معنی یاب برنخاستہ" اکثر شعرش بطرز ایہام است، (ص ۸۴)

میرزا ابراہیم ادہم کے متعلق لکھتا ہے "طبعش بطرز ایہام میلے تمام داشت" (ص ۳)

ملا محمد سعید اشرف کے متعلق ہے، "اکثر تلاش بطرز ایہام می کند" (ص ۷)

اردو شاعری مین قدمار کے دور مین ایہام کا جو عام رواج ہوا، اسکی وجہ مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات مین یہ لکھی ہے، کہ یہ بھاشا شاعری کا اثر تھا، لیکن درحقیقت یہ بھاشا کا اثر نہین، متاخرین شعرائے فارسی کے کلام کی تقلید تھی،

(۲) قدیم زمانہ مین شاعری کی ترقی کا بڑا ذریعہ امرا، و سلاطین کی فیاضی تھی، اور سلطنت تیموریہ مین جہانگیر اور خانخانان وغیرہ کی انھی فیاضیون نے شعرار کو مالا مال کر دیا تھا، لیکن سرخوش کے زمانہ مین ان فیاضیون کے سرچشمے بالکل بند ہو گئے تھے، اور یہ شاعری کی کساد بازاری کا سبب تھا، سرخوش نے جہانگیر و خانخانان کی فیاضیون کا ذکر دل کھول کر کیا ہے، لیکن ان کے بعد اپنے دور کی ناقدردانی کا رونا اس طرح رویا ہے:

بحان اللہ چہ ہمت و چہ بخششہا، حق تعالی ما را در زمانہ انداختہ کہ ہر چند زمین را بآسمان دوختم روے ولی نعمتی توجہی ہم از کسے ندیدم تا بہ صلہ چہ رسد (ص ۲۳)

اس کے بعد خود اپنے متعدد واقعات لکھے ہین، کہ اس نے امرار کی مدح مین بہت سے قصائد، مثنویان اور رباعیان لکھین، لیکن کسی کا صلہ بھی نہین ملا، سرخوش کے زمانہ مین ایک امیر نجابت خان تھا جس نے دہلی کے قریب ایک سرائے بنوائی، اور شعرار سے اسکی تاریخ کہلوائی، لیکن کسی کی تاریخ پسند نہین آئی، صرف سرخوش کی تاریخ کو سب نے پسند کیا، جو عمارت کے کتبے پر کھودی گئی، ایک روز سرخوش نے مذاقًا کہا کہ محل کی تعمیر پر جو کچھ صرف ہوا ہے، اس کے چوتھائی حصہ کا مین بھی مستحق ہون، انھون نے یہ فیاضانہ جواب دیا کہ سرائے کے بنوانے کا مقصد صرف بقائے نام ہے، اور اس مین تمھارا نام بھی شریک ہے، اسلئے آدھا خرچ تم سے لینا چاہیے،

(۳) تیموری دور مین بعض تذکرے ایسے مرتب ہوئے تھے، جو خاص تاریخی اہمیت رکھتے تھے، مثلاً ظفر خان احسن ناظم کابل نے اپنے دربار کے مشہور شعرا، مثلاً صائب، کلیم، سلیم، قدسی، سالک یزدی، قزوینی، دانش اور میر صیدی وغیرہ کے حالات مین ایک تذکرہ مرتب کرایا تھا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ ہر شاعر سے خود اس کے کلام کا انتخاب کرا کے اسی کے قلم سے لکھوایا تھا، اور ہر صفحہ کی پشت پر اس شاعر کی تصویر بھی درج تھی، آج یہ تذکرہ بالکل ناپید ہے، لیکن سرخوش نے لکھا ہے کہ مین نے اوس کا ایک ورق جس پر کلیم کی تصویر تھی، خود دیکھا ہے، اور اسکی صورت کی زیارت کی ہے؛ (ص ۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ مین اس تاریخی تذکرہ کے بعض اجزار موجود تھے،

(۴) اس تذکرے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اس زمانہ مین تاریخ گوئی کا بہت زیادہ رواج تھا،

اور شعرا کے اظہارِ کمال کا وہ بڑا ذریعہ سمجھی جاتی تھی چنانچہ ملا جامی لاہوری کے حال مین لکھتا ہے:-

"در تاریخ یابی کارہاے دست بستہ می کرد (ص ۱۱)"

امیرالامرا اسد خان کے یہان لڑکا پیدا ہوا تو انھون نے تاریخ نکالی،

زبرجِ اسد رونمود آفتاب

نامدار خان کے یہان لڑکا پیدا ہوا تو چھ روز تک برابر جلسے ہوتے رہے، اور ملا جامی لاہوری ہر روز نئی نئی تاریخین لکھکر پیش کرتے رہے، خود سرخوش نے تذکرے کے اخیر مین شعرا کی متعدد عمدہ تاریخین درج کی ہین،

ان تاریخی واقعات کے ساتھ اس تذکرے مین بہت سے تنقیدی نکتے اور شعرا کی رنگین صحبتون کے حالات درج ہین، جن سے اس تذکرے کی دلچسپی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، مثلاً ناصر علی کا ایک شعر تھا،

خیالِ بیکسیِ من وفا بیادش داد   بجاے شمع دل آورد برمزارم سوخت

اس مین "دل آوردن وسوختن" قابلِ اعتراض تھا، اس لئے مولوی محمد سعید اعجاز نے یہ اصلاح دی،

بجاے شمع دلِ یار برمزارم سوخت   (ص ۶)

مرزا حسن بیگ رفیع کا شعر تھا،

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است   ور بناخوش گذرد نیم نفس بسیار است

میر معز موسوی خان نے اعتراض کیا کہ "بناخوش" ٹھیک نہین، یا تو "ناخوش" ہونا چاہئے یا "ناخوشی"، مرزا رفیع نے سنا تو "تلخی گذرد" کر دیا، لیکن سرخوش کی راے مین شعر از مزہ افتاد

سرخوش نے ایک مطلع کہا تھا:-

باندک تلخیِ اندوہ عشرتہا نمی ارزد   بتشویش خلال این نعمتِ دنیا نمی ارزد

جس کو تمام شعرا نے پسند کیا تھا، لیکن میر محمد زمان راسخ نے تلخی کے بجاے کاوش کا لفظ رکھدیا، جو خلال سے مناسبت رکھتا ہے، سرخوش لکھتے ہین کہ مین صرف اس اصلاح سے ان کو اپنا اوستاد مانتا ہون، (ص ۴۲)

ایک بار ملک الشعرا حاجی محمد جان قدسی نے ایک مکتب کے ملا کے سامنے اپنا یہ شعر پڑھا:

ساقی بصبوحی قدرے پیشتر از صبح   برخیز کہ تا صبح شدن تاب ندارم

ایک لڑکے نے سنا تو کہا کہ اگر "قدرے" کے بجاے "نفسے" کا لفظ ہوتا تو صبح سے زیادہ مناسبت رکھتا، قدسی نے اس اعتراض کو قبول کر لیا، اور اس لڑکے کی ذہانت پر حیرت ظاہر کی (ص ۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ مین شعر و سخن کا ذوق کس قدر عام تھا، اور مکتبون مین کس قسم کی تعلیم دی جاتی تھی،

اس قسم کے تنقیدی نکتے اس تذکرے مین بکثرت ہین، البتہ انتخاب عمدہ نہین ہے، اس زمانہ کے مذاق کے مطابق اوسی قسم کے اشعار انتخاب کئے ہین، جن مین نازک خیالی اور مضمون آفرینی پائی جاتی ہے،

شعر العجم حصہ اول

فارسی شاعری کی تاریخ، جس مین شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات واسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کیساتھ تمام مشہور شعرا (عباس مروزی) سے نظامی تک کے تذکرے، اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، قیمت :- عہ

"مینیجر"

مطبوعات جدیدہ

القول المنصور فی ابن منصور مؤلفہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ ملنے کا پتہ درج نہین،

حسین بن منصور حلاج کے متعلق ابتدا سے تین جماعتین چلی آتی ہین، علما کی ایک جماعت نے ان کو ساحر، شعبدہ باز اور خارج از اسلام قرار دیا، بعض علما اور بیشتر اکابر صوفیہ ان کو عارف باللہ مانتے ہین، اور ان کی جانب جو خلافِ شرع اقوال، اشعار اور واقعات منسوب ہین، ان مین ان کو معذور سمجھ کر تاویل کرتے ہین، ایک جماعت نے سکوت اختیار کیا، مولانا ظفر احمد صاحب کی تحقیق مین بھی حلاج عارف باللہ تھے، چنانچہ القول المنصور مین انھون نے اس مسئلہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور حلاج کے متعلق جس قدر موافق و مخالف بیانات تاریخون مین ہین، ان کو نقل کرکے بیشتر مخالف بیانات پر تنقید کرکے ان کو ناقابلِ اعتبار ثابت کیا ہے، اور معتبر روایات مین جو مشتبہ اور محتمل المعانی خلافِ شرع اقوال، اشعار اور واقعات ملتے ہین، ان کی تاویل کی ہے اور حلاج کے تدین اور عرفان کے ثبوت مین شریعت کی پابندی اور اس کے احترام کے بارہ مین ان کے اقوال اور ان کے زہد و عبادت کے واقعات نقل کئے ہین، اس طرح اس کتاب مین حلاج کے متعلق تمام موافق و مخالف روایات اور مختلف النوع بیانات جمع ہو گئے ہین، اور مخالف روایات پر اصول و اسماء رجال کی حیثیت سے بحثین کی ہین جنھین پڑھ کر مولانا کی تحقیق سے قطع نظر ہر صاحب علم خود بھی فیصلہ کر سکتا ہے، جا بجا مصنف کے قلم سے عارفانہ حقائق کی تراوش بھی ہوتی

گئی ہے جس سے اس کتاب کے خشک مباحث مین ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی ہے، مصنف کا فیصلہ ابن منصور کے باب مین جو نظر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ صوفی صافی، نیک مشرب، زاہد و عابد تھے اور ان الزامات سے بری تھے، جو بعض متشدد علما نے ان پر لگائے ہین، تاہم وہ اس راہِ سلوک مین ناقص اور اپنے وقت کے اکابر کی تربیت کے محتاج تھے،

برہان مؤلفہ جناب حکیم کبیر الدین صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۸ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ:- دفتر المسیح قرول باغ نئی دہلی،

آج کل طب جدید کے حامیون کی جانب سے یونانی طب پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ سائنس یعنی باقاعدہ فن نہین ہے، اور اسکی بنیاد تجربہ و مشاہدہ کے بجائے ظن و تخمین اور عقلی دلائل پر ہے، حکیم کبیر الدین صاحب شیخ الجامعہ جامعۂ طبیہ دہلی نے اس کتاب مین اس خیال کی نہایت مدلل تردید کی ہے، اور دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ طب یونانی فن ہے، اور اسکی بنیاد تجربہ و مشاہدہ پر ہے، اور دلائل سے اس مین اسی حد تک کام لیا گیا ہے جس حد تک دوسرے فنون مین لیا جاتا ہے، اور یونانی اطبار کی کتابون، ان کی تحقیقاتون اور خود طبِ جدید کے علما کے اعترافات سے دکھایا ہے، کہ طبِ یونانی کی بنیاد مشاہدہ و تجربہ پر ہے، اور یونانی اطبار تشریح اور افعال الاعضار سے پوری طرح واقف تھے، انھون نے اس مین اکتشافات کئے ہین، یہ اور بات ہے کہ جدید تحقیقات سے بعض پرانی تحقیقاتین غلط نکلین، جو تحقیق کے میدان مین ہوتا ہی رہتا ہے جس سے طبِ جدید بھی مستثنیٰ نہین، یونانی اطبار کی بعض تحقیقاتون پر آج بھی کوئی اضافہ نہ ہو سکا، اور صدیون تک ان کی تحقیق اور ان کی کتابون پر یورپ کے علم کا مدار رہا، اور وہان کی طبی درسگاہون مین داخلِ نصاب رہین، یورپ کے بڑے بڑے اطبا ایک عرصہ تک اپنی تصانیف مین اس کا اعتراف کرتے رہے، اور عزت و احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے رہے، لیکن پھر رفتہ رفتہ تعصب کی وجہ

سے ان کا نام خارج ہوگیا، اور ان کی بعض تحقیقات طب جدید کی جانب منسوب کر دی گئیں،

اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان مباحث میں یونانی تصانیف کی شہادت کے ساتھ طب جدید کے محققین کے اعترافات بھی نقل کر دیئے ہیں، جس سے اس کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے، البتہ خطابت اور جوش بیان اعتدال سے زیادہ ہے، اسلئے کتاب غیر ضروری حد تک طویل ہوگئی ہے، اور جو بات چند سطروں میں کہی جا سکتی تھی، اس کو زور خطابت نے صفحوں میں پھیلا دیا ہے،

شاد اقبال مرتبہ ڈاکٹر محی الدین صاحب زور قادری تقطیع اوسط ضخامت ۲۱۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ:- سب رس کتاب گھر خیرت منزل خیرت آباد حیدرآباد دکن،

مہاراجہ کشن پرشاد کی ذات مشرقی تہذیب، شرافت اور اخلاق و مروت کا نمونہ تھی جس سے ایک مرتبہ تعلقات پیدا ہوگئے، اسکو عمر بھر نباہا، وہ خود صاحب کمال تھے، اور ارباب کمال کی قدردانی ان کا خاص جوہر تھا، اس بنا پر ہندوستان کے بہت سے اصحاب علم سے ان کے تعلقات تھے، سر اقبال مرحوم سے بہت مخلصانہ تعلق تھا، اور باہم خط و کتابت بھی رہتی تھی، اتفاق سے یہ خطوط محفوظ رہ گئے تھے، ڈاکٹر محی الدین صاحب نے ان کو شاد اقبال کے نام سے شائع کر دیا ہے، یہ خطوط مختلف حیثیتوں سے قابل قدر اور پڑھنے کے لائق ہیں، دونوں بڑا اعلیٰ ادبی مذاق کے حامل تھے، اسلئے ان خطوط میں جملہ ادبی محاسن نمایاں ہیں، گو دونوں کے مراتب و خیالات میں فرق تھا، لیکن صحت قلب نے ان میں باہم جو اخلاص و اعتماد پیدا کر دیا تھا، اس کا اندازہ ان خطوط کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے محرم راز تھے، خانگی معاملات میں مشورہ لیتے تھے، ایک دوسرے کے حفظ مراتب کا کتنا لحاظ تھا، مہاراجہ اپنی وجاہت کے باوجود سر اقبال کے ساتھ کس اخلاص و محبت کا برتاؤ رکھتے تھے، اقبال اپنی استغنا اور فقیر منشی کے باوجود مہاراجہ کیساتھ کس نیازمندی سے پیش آتے تھے، اقبال کے خطوط سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ پرائیوٹ زندگی میں بھی کیسے مومن صادق تھے، یہ خطوط دو بڑی ہستیوں کی سیرت، اخلاق اور حفظ مراتب کا آئینہ ہیں،

"م"

جلد ۵۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۳ء عدد ۴

مضامین